اخبار الرایہ

شمارنمبر 614

(26-اگست-2026)

(عربی سے ترجمہ)

سوڈان کی جنگ میں امریکہ کا کردار.. 2

سہ فریقی اتحاد سعودی، ترکی اور پاکستانی... 6

:طرابلس سے بنغازی تک: کیاترکی—امریکہ کا سہولت کار—لیبیا کا نقشہ از سر نو کھینچ رہا ہے؟...................... 14

تونس کی دھرتی پر امریکی فوجی تنصیب، تو آزاد مرد کہاں ہیں؟!.. 18

امریکہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عراق کے معاملات چلا رہا ہے! یہ ایک بہت بڑی رسوائی اور سنگین جرم ہے......... 20

ایران پر امریکہ کی جنگ کے نسبتی سکون پر ایک نظر.. 22

امریکہ اور یہودی وجود کے مابین دفاعی تعاون کو فروغ دینے کا امریکی قانون.............................. 26

اے مسلم افواج! تمہارے کندھوں پر ذمہ داری کا بوجھ بھاری ہو گیا ہے..................................... 30

ریاستِ خلافت کا تعلیمی نظام اعلیٰ پائے کے مدبرین تیار کرتا ہے.. 31

وسطی ایشیا کی ریاستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغرب کی پیشکشوں کو مسترد کریں اور اسلام کی بنیاد پر متحد ہو جائیں 32

یمن اور خطے کے حالات سے اس کا متاثر ہونا.. 33

مسلم ممالک کے حکمران طبقے خون کی لکیریں کھینچنے میں حصہ دار ہیں!.................................... 37

مصر کی فوج کے لیے اپنے ملک کو خشک سالی اور اپنے لوگوں کو پیاس سے بچانے کے لیے آگے بڑھنا لازم ہے........ 38

میلادِ نبی ﷺ کی بابرکت یاد دراصل پوری زندگی کی یاد ہے، نہ کہ محض کسی ایک مخصوص دن کی یاد۔ یہ ایک ایسی یاد ہے جس کی تعظیم و تکریم زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہوتی ہے، نہ کہ سال کے کسی ایک دن محض مذہبی تقاریب کا انعقاد کر لینے سے۔ یہ عمل کی یاد ہے، چھٹی منانے کی یاد نہیں۔ چنانچہ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس معطر یاد کے سائے میں، یہ امتِ مسلمہ کے لیے اسلام کی عظیم الشان عمارت یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کا ایک قوی محرک بنے، تاکہ یہ پوری انسانیت کے لیے خیر اور ہدایت کا مینار ثابت ہو

ادار یہ

سوڈان کی جنگ میں امریکہ کا کردار

تحریر: استاد ابراہیم مشرف-(ترجمہ)

سوڈان میں بہت سے لوگ سوڈان کی جنگ میں امریکہ کے کردار کی حقیقت سے ناواقف ہیں، یا تو خود امریکہ کی حقیقت سے جہالت کی بنا پر، یا پھر چرچل کے طریقے کے مطابق حقائق پر پردہ ڈالنے کی وجہ سے۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی امریکی عہدیدار بیان جاری کرتا ہے تو فوج کی مخالف تمام سیاسی قوتیں اس کی تائید اور حمایت کے لیے ٹوٹ پڑتی ہیں۔ تو سوڈان کی جنگ میں امریکہ کے کردار کی اصل حقیقت کیا ہے؟!

حقیقتِ حال یہ ہے کہ تنازع کے دونوں فریق اور سیاسی قوتیں یہ سمجھتی ہیں کہ کوئی حل ممکن ہی نہیں سوائے اس کے جو امریکہ پیش کرے، اور یہ کہ وہ ایک ثالث ہے اور سوڈان کی جنگ سے اس کا کوئی تعلق نہیں! جبکہ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ سوڈان کی جنگ دو جرنیلوں، البرہان اور حمیدتی کے درمیان ہے اور یہ کوئی بین الاقوامی کشمکش نہیں بلکہ اقتدار کی ایک مقامی جنگ ہے؛ پھر وہ اس بات پر گفتگو کرتے ہیں کہ پہلی گولی کس نے چلائی، اور یہ کہ عالمی برادری کی بااثر بڑی طاقتوں، جیسے امریکہ یا برطانیہ کے ہاتھ ملوث ہونے کے بارے میں کوئی بھی بات محض 'سازشی نظریہ' تصور کی جاتی ہے۔ اور یہاں جھوٹ کا پرچار کرنے والا ایک پورا لشکر آ کھڑا ہوتا ہے تاکہ سوڈان کی جنگ میں امریکی مداخلت کی حقیقت کو چھپایا جا سکے، وہ گمراہ کن الفاظ بولتے ہیں اور حیلے بہانے پیش کرتے ہیں۔ اور یہیں سے پوشیدہ حقائق کی تلاش کی اہمیت واضح ہوتی ہے، خاص طور پر جنگ کے دنوں میں۔

چنانچہ برطانوی وزیر اعظم چرچل نے روزویلٹ اور اسٹالن کے ساتھ جنگ اور جرمنی کے مستقبل پر بات چیت کے لیے ایک ملاقات میں کھل کر کہا تھا: "جنگ میں سچائی اتنی قیمتی ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت جھوٹ کے ایک پورے پہرے سے کی جانی چاہیے۔" تو کیا امریکہ واقعی ایک غیر جانبدار اور دوست ملک ہے اور نتیجتاً وہ ثالث کا کردار ادا کر سکتا ہے، یا پھر یہ اس کی حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے کہ وہ ایک استعماری ریاست اور اسلام و مسلمانوں کی دشمن ہے؟ کیا امریکہ نے ہی جنوبی سوڈان کی جنگ نہیں بھڑکائی تھی، جب اس نے اس کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیا، پھر شمال اور جنوب میں اپنے گماشتوں کے درمیان جنگ کو چلایا، اور پھر نیواشا معاہدے کے تحت جنوبی سوڈان کو الگ کر دیا؟ سوڈانی فوج اور ریپڈ

سپورٹ فورسز (ریپڈ سپورٹ فورسز) کے درمیان یہ جنگ دراصل امریکہ کی بھڑکائی ہوئی ہے، اور لڑائی اور جنگ بندیوں کے معاملات میں وہی اس کا انتظام چلارہاہے، تاکہ سوڈان کی سیاسی کشمکش کو انتہائی شدت کے ساتھ ایک ایسے نئے میدان میں منتقل کیا جاسکے جو خود اسی کا تیار کردہ ہے، تاکہ انگریزوں اور یورپیوں کے گماشتوں کو تنازع کے مرکز سے دور رکھا جائے، اور پھر وہ تنِ تنہا اس کے تمام مہروں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ امریکہ نے سوڈان میں جنگ کیسے بھڑکائی، تو 'عربی پوسٹ' نے 19/4/2023 کو اپنی ویب سائٹ پر امریکی اخبار 'نیویارک ٹائمز' کے حوالے سے 15/4/2023 کو جھڑپوں کے ابتدائی گھنٹوں کے بارے میں تازہ ترین معلومات شائع کیں کہ: (جمعہ 14 اپریل کی رات دونوں فریقین، البرہان اور حمیدتی، کے درمیان غیر ملکی مندوبین کی موجودگی میں مذاکرات کا ایک سیشن ہوا، جس کے دوران وعدے کیے گئے اور رعایتیں حاصل کی گئیں، اس سے پہلے کہ دونوں نے ایک سینئر فوجی کمانڈر کے گھر پر ایک ساتھ رات کا کھانا کھایا)۔ پھر اتوار کی صبح امریکی صدر بائیڈن نے سوڈان سے اپنے ملک کے سفارت کاروں کو نکالنے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد جنگ کے پہلے دن سے لے کر اب تک بلنکن سے لے کر بولس تک امریکی حکام کے زبانی بیانات سامنے آتے رہے کہ یہ جنگ فوجی فیصلے پر ختم نہیں ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود ہی اسے بھڑکانے والے ہیں اور وہی اسے چلارہے ہیں۔ پھر انہوں نے امن کے معاملے کو اپنے قابو میں لے لیا، جس کے بعد پے در پے جنگ بندیوں اور مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا اور نئے پلیٹ فارم تیار کیے گئے، جس کا آغاز جدہ فورم سے ہوا جو انہوں نے جنگ کے فوراً بعد قائم کیا تھا تاکہ وہ امن کے معاملے کو خود چلا سکیں اور یورپ اور اس کے گماشتوں کی مداخلت کا راستہ روک سکیں۔ پھر انہوں نے جدہ فورم سے لے کر چار فریقی اور پانچ فریقی گروپوں تک تمام فورمز پر بنیادی موضوعِ بحث 'انسانی ہمدردی کی بنیاد پر جنگ بندی' کو بنادیا۔ امریکی تجویز میں شامل ان جنگ بندیوں کا مقصد، انسانی امداد کی رسائی کے بہانے، دراصل ریپڈ سپورٹ فورسز کے وجود کو تسلیم کرنا اور انہیں ان کی موجودہ حالت پر برقرار رکھنا ہے۔

اسی طرح، جب بولس کی حالیہ دستاویز (مورخہ 20/6/2026) میں (سکیورٹی کے ایسے انتظامات جن میں انخلا کے اقدامات اور افواج کی دوبارہ تعیناتی شامل ہے) کی بات کی جاتی ہے، تو یہ ریپڈ سپورٹ فورسز کی موجودگی اور تسلسل کی تصدیق کرتی ہے اور اسے تحلیل کرنے کی بات کرنے سے گریز کرتی ہے، بلکہ جب یہ ریپڈ سپورٹ فورسز کو دوبارہ تعینات ہونے کی دعوت دیتی ہے تو یہ ضمنی طور پر اس کے بقا کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور یہ دستاویز اسی وقت سرکاری فوج اور سوڈان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کرنے والوں، جیسے ریپڈ سپورٹ فورسز، کے درمیان برابری پیدا کرتی ہے۔

چنانچہ امریکی دستاویز نے (محدود فوجی انخلا کے عمل) کی دعوت دی ہے جس کا بہانہ (انسانی امداد کی رسائی کو آسان بنانا، شہریوں کا تحفظ اور بے گھر افراد کی واپسی کے لیے ساز گار حالات پیدا کرنا...) ہے، جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ان افواج کا وجود ختم کیے بغیر انہیں بر قرار رکھنا مقصود ہے۔ اور یہ دستاویز پورے ملک کی سطح پر 90 روز کے لیے (فوری اور جامع انسانی جنگ بندی کا اعلان) کرنے کا مطالبہ کر کے ریپڈ سپورٹ فورسز کے وجود اور تسلط کے جواز کی توثیق کرتی ہے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسعد بولس — جس کا کہنا ہے کہ وہ تنازع کے دونوں فریقوں کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہے — کے ذریعے پیش کی جانے والی امریکی دستاویز میں، جس کا اعلان انہوں نے 20 جون کو قاہرہ میں کیا تھا، جنگ بندی کے یہ منصوبے اور ان سے پہلے کے منصوبے در حقیقت سوڈان سے دارفور کو الگ کرنے کے امریکی منصوبے کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یعنی امریکہ نے اب تک جو منصوبے پیش کیے ہیں ان کا مقصد دو امور ہیں: پہلا یہ کہ ریپڈ سپورٹ فورسز کو ایک ایسے متوازی سیاسی وجود کے طور پر پیش کیا جائے جس کا اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ اور سیاسی پروگرام ہو اور وہ مذاکرات کی میز پر بیٹھے۔

اور دوسرا یہ کہ امریکہ اپنی پیش کردہ جنگ بندی کی تجاویز کے ذریعے سوڈانی فوج کے لیے الفاشر شہر کا کنٹرول واپس لینے کا راستہ مکمل طور پر بند کرنا اور وہاں حمیدتی کے تسلط کو مضبوط بنانا چاہتا ہے۔ اس لیے، امریکہ کی طرف سے پیش کی جانے والی جنگ بندی کی ان تجاویز کو، چاہے وہ مسعد بولس کی ذاتی وساطت سے ہوں یا چار فریقی کمیٹی کے ذریعے، اس زاویے سے دیکھنا ضروری ہے کہ یہ دارفور کی علیحدگی کو بتدریج مکمل کرنے کی ایک تیاری ہے۔ اور امریکہ ہی ہے جو اپنے گماشتے حفتر کے ذریعے، انسانی ہمدردی کی آڑ میں ادری کراسنگ کھولنے کا حکم دینے کے بعد، علیحدگی پسند ریپڈ سپورٹ فورسز ملیشیا کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے، یا پھر یہ کام براہ راست کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ خبر رساں ادارے 'رائٹرز' کی جانب سے کی جانے والی ایک تحقیقات سے یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ امریکی فوج کی اسپیشل فورسز کے ایک سابق جنگجو کے زیرِ اثر کمپنیوں نے پرانے بوئنگ طیاروں کا ایک بیڑا چلایا، جو ان اہم لاجسٹک مراکز کے لیے پروازیں بھرتے تھے جنہیں جنگ کے دوران ریپڈ سپورٹ فورسز استعمال کر رہی تھیں۔ اور ایجنسی کی تحقیقات سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ کمپنیاں جنہوں نے علاقائی سپلائی لائنوں اور سوڈان میں نسل کشی کی مرتکب اس ملیشیا کے گڑھ کے درمیان رابطہ قائم کرنے والے چند طیارے چلائے، ان کا مالک اسٹیفن شاولس ہے، جو امریکی فوج کی اسپیشل فورسز کا ایک سابق اہلکار ہے اور وہ سنگاپور میں قائم کمپنی 'سی۔اے۔ڈی۔جی' (CADG) کے سربراہ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، جسے ماضی میں 'سینٹرل ایشیا

ڈویلپمنٹ گروپ' کے نام سے جانا جاتا تھا، اور یہ ایک ایسی عالمی کمپنی ہے جس نے 20 سال سے زائد عرصے تک امریکہ اور اقوامِ متحدہ سے ٹھیکے حاصل کیے ہیں۔

اور تحقیقات کے مطابق، ان طیاروں کو مئی 2025 میں سوڈانی فوج نے نیالا ہوائی اڈے پر تباہ کر دیا تھا۔ درحقیقت امریکہ سوڈان میں جنگ کے معاملے کی باگ ڈور پوری طرح اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے؛ چنانچہ ٹرمپ نے انکشاف کیا تھا کہ انہوں نے سوڈان میں تنازع کا حل تلاش کرنے پر کام شروع کر دیا ہے، اور انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ محمد بن سلمان نے ان سے اصرار کیا تھا کہ اس جنگ کا خاتمہ سب سے عظیم کام ہو گا جو کیا جا سکتا ہے۔ دارالحکومت واشنگٹن میں 'سعودی امریکی بزنس کونسل' کے زیرِ اہتمام ایک فورم سے خطاب کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا کہ وائٹ ہاؤس میں ملاقات کے دوران سعودی ولی عہد کی جانب سے دی جانے والی وضاحتوں کے بعد سوڈان کی صورتحال کے بارے میں ان کا نظریہ بدل گیا ہے۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ امریکہ ہی سوڈان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے 'فورتھ جنریشن وارفیئر' (چوتھی نسل کی جنگ) کے تحت سوڈان کی جنگ کو چلا رہا ہے۔ امریکہ کی حقیقت دیگر سرمایہ دارانہ ممالک کی طرح یہ ہے کہ اس پر اجارہ دار کمپنیوں کے مالکان اور سرمایہ کاروں و کاروباری شخصیات کا تسلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی خارجہ پالیسی امیروں اور اجارہ دار کمپنیوں کے مالکان کی پالیسی ہے، یعنی یہ ایک خالص استعماری پالیسی ہے جس میں اعلیٰ اقدار کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، چنانچہ وہ دفاع پر اتنی خطیر رقم خرچ کرتی ہے جو برطانیہ، فرانس اور جرمنی مل کر بھی خرچ نہیں کرتے۔

ایسی مقتدر اور غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ریاست کے سامنے کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا سوائے ایک ایسی نظریاتی امت کے جس کی اپنی ایسی ریاست ہو جو اس کے عقیدے سے جنم لیتی ہو، اور امتِ مسلمہ سے بڑھ کر اس کام کے لیے کوئی زیادہ اہل نہیں ہے کیونکہ وہ واحد سچا عقیدہ رکھتی ہے، بلکہ اسے شرعی طور پر یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ لوگوں پر نگران و نگہبان بنے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً**﴾ "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔" (سورۃ البقرۃ: 143)۔ اور اس گواہی کے فریضے کو اسلامی زندگی کے دوبارہ احیاء کے بغیر انجام دینا ممکن نہیں ہے، جو کہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال کا جواب

سہ فریقی اتحاد سعودی، ترکی اور پاکستانی

(ترجمہ)

سوال:

العربیہ نیٹ نے 18/8/2026 کو ٹرمپ کا یہ بیان نقل کیا جس میں انہوں نے ترکی، پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان سہ فریقی معاہدے کا خیر مقدم کیا: (امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کا خیر مقدم کیا ہے، اور اس اقدام کو بہت بڑا، دلیرانہ اور انتہائی اہم قرار دیا ہے۔ انہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے درمیان سیکیورٹی کو آرڈینیشن اور ان کی مشترکہ دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانے کی سمت پیش رفت کی تعریف بھی کی...)۔ العربیہ نیٹ نے ہی 17/8/2026 کو یہ خبر بھی شائع کی تھی کہ: (ٹرمپ نے اپنے "ٹروتھ سوشل" اکاؤنٹ پر مزید کہا کہ وہ ان تینوں ممالک کی طرف سے معاہدے پر دستخط کیے جانے پر خوش ہیں، اور ان کا ماننا ہے کہ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے تقارب کی عکاسی کرتا ہے)۔ اس سے پہلے سعودی پریس ایجنسی "واس" نے جمعہ 7/8/2026 کو اپنی ویب سائٹ پر یہ اعلان کیا تھا کہ: (سعودی ولی عہد محمد بن سلمان، ترک صدر رجب ایردگان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں، جو تینوں ممالک کے درمیان مشترکہ سلامتی کو فروغ دینے اور خطے اور دنیا میں سلامتی، امن اور استحکام قائم کرنے کی خواہش کا مظہر ہے، تاکہ ایک محفوظ اور خوشحال مستقبل حاصل کیا جا سکے)۔

اب سوال یہ ہے کہ: ان تینوں ممالک کے اس معاہدے پر دستخط کرنے کے حقیقی ابعاد اور مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ مسلمانوں کے ممالک پر جارحیت کرنے والوں، مثلاً یہودی وجود کے خلاف جنگ کے لیے کوئی اتحاد ہے؟ یا یہ صرف خلیج کی کشیدہ صورتحال کے پیش نظر ایران کے سامنے سعودی عرب کی حمایت کے لیے ہے؟ نیز، امریکہ نے اس معاہدے کی حمایت کا اعلان دس دن کی تاخیر سے کیوں کیا، حالانکہ یہ تینوں ممالک امریکہ نواز ہیں اور امریکی مرضی کے بغیر ان کا کوئی معاہدہ خارج از امکان سمجھا جاتا ہے؟ الغرض، اس معاہدے کا اصل مقصد کیا ہے؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب:

اس جواب کو واضح کرنے کے لیے ہم درج ذیل امور کا جائزہ لیتے ہیں:

1- سعودی پریس ایجنسی "واس" نے جمعہ 2026/8/7 کو یہ خبر شائع کی:(سعودی ولی عہد محمد بن سلمان، ترک صدر رجب ایردگان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے ہیں، جو اپنے مشترکہ تحفظ کو مستحکم کرنے اور خطے اور دنیا میں امن و سلامتی اور استحکام لانے کے لیے تینوں ممالک کی تڑپ کی عکاسی کرتا ہے تاکہ ایک محفوظ اور خوشحال مستقبل کا حصول ممکن ہو سکے)۔ ایجنسی نے بتایا کہ جمعہ کے روز مکہ میں منعقدہ اجلاس کے بعد جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیے میں یہ درج ہے کہ (معاہدے کا مقصد کسی بھی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاع و تحفظ کو مضبوط بنانا ہے، اور یہ کہ تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر بھی مسلح حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے گا، اسی طرح یہ معاہدہ ان کے درمیان باہمی دفاعی تعاون کے تمام شعبوں کو فروغ دینے کا احاطہ کرتا ہے)۔ پس یہ معاہدہ واضح طور پر کہتا ہے کہ یہ خطے کی بڑی سمجھی جانے والی علاقائی قوتوں کے درمیان ایک مشترکہ عسکری اتحاد ہے تاکہ ان میں سے کسی پر بھی ہونے والی جارحیت کا سدِباب کیا جا سکے۔ لیکن یہ اپنے اندر یہ بالواسطہ (ضمنی) اعلان بھی رکھتا ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک پر ہونے والی کسی بھی جارحیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا یہ اسے روکنے کے لیے کوئی مداخلت نہیں کرے گا!

2- یہی وجہ ہے کہ یہودی وجود نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ معاہدہ یا یہ اتحاد اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے... واضح رہے کہ اگر ان تینوں دستخط کنندہ ممالک میں سے ہر ایک ملک مخلص ہوتا تو وہ بخوبی جانتا کہ وہ اس وجود کو ڈرانے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی پوری طاقت رکھتا ہے، نہ یہ کہ وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہے جب کہ وہ (یہودی وجود) غزہ کو تباہ و برباد کر رہا ہے، جس کے لاکھوں باشندوں کو شہید و زخمی کر چکا ہے، ان کے گھر بار مسمار کر کے لاکھوں کو بے گھر کر چکا ہے، انتہائی سنگین جرائم کا ارتکاب کر کے وہاں کے لوگوں کو بھوک اور پیاس سے مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے جہاں بیماریاں انہیں دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور زخم انہیں چھلنی کر رہے ہیں، اور وہ اب بھی اپنے جرائم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان ممالک نے ان جرائم کو روکنے کے لیے نہ تو مشترکہ طور پر کوئی حرکت کی اور نہ ہی انفرادی طور پر۔ مزید برآں، مغربی کنارے میں بھی اسی طرح کے جرائم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جہاں غاصب آباد کاروں کے غول اپنے فوجیوں کی سرپرستی میں زمین پر فساد برپا کر رہے ہیں، کھیتیوں اور نسلوں کو تباہ کر رہے ہیں، قتل،

زخمی اور قید کر رہے ہیں، زمینوں پر زبردستی قبضے کر کے ان کے مالکان کو وہاں سے نکال رہے ہیں اور ان کے گھروں کو منہدم کر رہے ہیں... یہاں تک کہ اس سہ فریقی اتحاد کا متن تو اپنے الفاظ کی رو سے یہودی وجود کے لیے بھی کھلا ہوا ہے! چونکہ ترک صدر ایردگان نے کہا ہے:(یہ معاہدہ کسی بھی ملک کو نشانہ نہیں بناتا، اور یہ ان تمام ممالک کی شرکت کے لیے کھلا ہے جو خطے میں استحکام لانے کا ارادہ رکھتے ہیں)، چنانچہ انہوں نے واضح الفاظ میں یہودی وجود کو مستثنیٰ نہیں کیا، بلکہ بات کو گول مول چھوڑ دیا... اور یہ یہودی وجود کے لیے ایک طرح کا اطمینانِ قلب ہے۔ چونکہ ترکی اس وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس نے غزہ میں وحشیانہ قتلِ عام اور اس کے کچھ حصوں پر مبینہ حفاظتی زونز کے نام پر قبضے کے باوجود اس کے ساتھ اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع نہیں کیے ہیں!

3- ترک صدر کے اسی بیان کی طرح سعودی وزارتِ خارجہ کے پبلک ڈپلومیسی کے انڈر سیکرٹری رائد قرملي نے بھی 2026/8/7 کو ایکس پر بیان دیا:(یہ معاہدہ خطے کے کسی بھی ملک کی سلامتی کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ کبھی دو ممالک کے درمیان کشیدگی کو بڑھانے کا باعث ہے)۔ اور سعودی عرب تو یہودی وجود کے پہلو بہ پہلو ایک فلسطینی ریاست کے قیام کی دعوت دیتا ہے اور کھلے عام دو ریاستی حل کا اعلان کرتا ہے! یعنی سعودی عہدیدار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ اتحاد یہودی وجود کے خلاف نہیں بنایا گیا... اسی طرح پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے بھی 2026/8/7 کو ایکس پر اس معاہدے کو "تاریخی" قرار دیتے ہوئے لکھا کہ... "یہ آنے والی نسلوں کے لیے امن کی ایک ڈھال بنے گا اور تینوں ممالک میں خوشحالی لائے گا"۔ یعنی یہ معاہدہ حملہ آوروں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض ایک امن منصوبہ ہے! مزید یہ کہ پاکستانی وزارتِ خارجہ نے تصدیق کی ہے کہ (مکہ معاہدے کا مقصد کسی بھی جارحیت کے خلاف اجتماعی دفاع کو مضبوط بنانا ہے، اور یہ طے کرتا ہے کہ تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر مسلح حملہ سب پر حملہ سمجھا جائے گا۔ یورونیوز، 2026/8/7)۔ یعنی سعودی عرب، پاکستان اور ترکی میں امریکی ایجنٹوں اور اس کے پٹھوؤں کی طرف سے اس معاہدے پر دستخط کرنے کا مقصد یہودی وجود کے خلاف لڑائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حالانکہ انہوں نے اس سرزمینِ مبارک پر قبضہ کر رکھا ہے اور قبلہ اول میں پے در پے جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں!

4- سربراہ اجلاس کے اعلامیے میں بتایا گیا ہے کہ (اس معاہدے کا مقصد تینوں ممالک کے درمیان مشترکہ دفاع کو مضبوط بنانا اور دفاعی تعاون کو فروغ دینا ہے جو یہ طے کرتا ہے کہ دستخط کرنے والے ممالک میں سے کسی ایک پر بھی مسلح حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ اعلامیے میں مزید کہا گیا کہ یہ معاہدہ تینوں ممالک کے مابین "تاریخی تعلقات" اور مشترکہ تزویراتی مفادات پر مبنی ہے، اور اس کا مقصد خطے اور دنیا میں سلامتی اور استحکام کو فروغ دینا ہے۔ بی بی سی،

7/8/2026)۔اس وقت ان تینوں ممالک میں سے واحد ملک جس پر حملے ہو رہے ہیں وہ سعودی عرب ہے، اور یہ حملے ایران کی طرف سے ہو رہے ہیں... اور اگر اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان تینوں ممالک کے بیانات کا مقصد سمجھا جا سکتا ہے! ترک وزیر خارجہ ہاکان فیدان نے اس کے مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے: (فیدان نے بتایا کہ "مکہ معاہدے" کے تحت کسی مشترکہ خطرے کا تعین نہیں کیا گیا، جبکہ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ "کوئی بھی ملک جو ہم پر حملہ نہیں کرے گا، وہ ہمارا ہدف نہیں بنے گا"۔ سی این این عربی، 9/8/2026)۔ ان کے اس بیان کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اگر ایران نے حملہ کیا—اور وہ بالفعل حملے کر بھی رہا ہے—تو وہ ان کے بیان کے مفہوم کے مطابق ہمارا نشانہ بن جائے گا... فیدان نے اپنے ایک اور بیان میں اس معاہدے کے مقاصد کو خوبصورت رنگ دینے کی کوشش کی کہ یہ خطے میں استحکام کو یقینی بنانے کے لیے ہے، لیکن وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور کہا: ("سعودی عرب، پاکستان اور ترکی توسیع پسند ممالک نہیں ہیں"، انہوں نے اس معاہدے کو "سب سے اہم قدم قرار دیا جو اس خطے میں مستقل استحکام لائے گا جس کا نام گزشتہ سو سالوں سے، جب سے سلطنتِ عثمانیہ یہاں سے رخصت ہوئی ہے، عدم استحکام سے جڑ چکا ہے"۔ سی این این عربی، 8/8/2026)۔ اس کے باوجود یہ عہدیدار سچ بات کو جوں کا توں بولنے سے ڈرتا ہے؛ اس کا یہ کہنا کہ سلطنتِ عثمانیہ اس خطے سے رخصت ہو گئی تھی، دراصل کفار کے ممالک کو ناراض نہ کرنے کی کوشش ہے تاکہ اس حقیقت پر پردہ پڑا رہے کہ کفر کے ممالک نے عرب اور ترکوں کے اندر موجود اپنے غداروں کے ساتھ مل کر پہلی جنگِ عظیم میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازش کی تھی تاکہ خلافت کو گرایا جا سکے... پھر ان ممالک نے اسلامی خطے میں فساد برپا کرنا شروع کیا، اپنے گماشتوں کو ڈھونڈ کر انہیں بادشاہ اور صدر بنا دیا، اور قوم کے معزز و مخلص لوگوں کو شدت پسند اور دہشت گرد قرار دے کر جیلوں میں ڈال دیا، یوں ہر طرف انارکی پھیل گئی اور عدم استحکام کا دور دورہ ہو گیا کیونکہ مسلم امت کفر کے ممالک کے ان اقدامات کو مسترد کرتی ہے اور ان کے خلاف مزاحمت کرتی ہے... چنانچہ فیدان نے یہ کہنے کے بجائے کہ "...جب سے کفر کے ممالک اور عرب و ترک کے غداروں نے خلافتِ عثمانیہ کو گرانے کے لیے سازش کی تھی" یہ کہا کہ "...جب سے سلطنتِ عثمانیہ یہاں سے رخصت ہوئی ہے"۔ انہوں نے صرف ان ممالک کی ناراضگی کے خوف سے یہ بات کہی! اللہ انہیں غارت کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

5- لیکن امریکہ نے اس معاہدے پر دس دن تک کسی بھی ردعمل کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ اگر یہ معاہدہ امریکہ کے مفاد کے خلاف ہوتا تو وہ فوراً اس کی مخالفت کرتا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ فوراً تائید کا اعلان کر کے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود اس معاہدے کے پیچھے کھڑا ہے، کیونکہ اس طرح معاہدے کی سیاسی چمک دمک پھیکی پڑ جاتی اور یہ عیاں ہو جاتا کہ یہ معاہدہ امریکی حکم پر ہوا ہے، جس سے اس کے ان تینوں ایجنٹوں کی پوزیشن کمزور پڑ جاتی۔ حالانکہ ان تینوں نے اس

معاہدے کے ذریعے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنی خود مختاری کے بارے میں فکر مند ہیں اور وہ آزاد ہیں جو اپنی جارحیت کرنے والوں کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں، اسی لیے امریکہ نے تھوڑا انتظار کیا... اور پھر ٹرمپ نے اس معاہدے کی حمایت شروع کر دی، اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور تینوں ممالک کے سربراہوں کی تعریفیں کیں! اسی وجہ سے انہوں نے اب یہ بیان دیا ہے جیسا کہ العربیہ نیٹ نے 2026/8/18 کو نقل کیا: (امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مشترکہ دفاع کے مکہ معاہدے پر دستخط کا خیر مقدم کیا ہے، اور اس قدم کو انتہائی بڑا، جرات مندانہ اور اہم ترین قرار دیا ہے، ساتھ ہی انہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے مابین سیکیورٹی کوآرڈینیشن اور ان کی مشترکہ دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانے کے رجحان کی تعریف کی ہے...)، اور العربیہ نیٹ نے 2026/8/17 کو یہ بھی شائع کیا تھا کہ: (اور ٹرمپ نے "ٹروتھ سوشل" پلیٹ فارم کے ذریعے مزید کہا کہ وہ تینوں ممالک کے اس معاہدے پر دستخط سے خوش ہیں، اور وہ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے کو مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے مابین بڑھتے ہوئے تقارب کا آئینہ دار سمجھتے ہیں)۔

ٹرمپ کی طرف سے ستائش اور تائید میں تاخیر کی یہی اصل وجہ ہے، ورنہ یہ تینوں ممالک تو امریکہ کے وفادار ہیں؛ چاہے وہ سعودی عرب اور پاکستان جیسے ایجنٹ ممالک ہوں جو نیٹو سے باہر امریکہ کے تزویراتی (اسٹریٹجک) شراکت دار ہیں، یا ترکی جیسا ملک ہو جو امریکہ کے زیرِ اثر ہے اور اس کے ساتھ نیٹو کا رکن بھی ہے۔

6- درحقیقت امریکہ اپنے ان تینوں وفادار ممالک کو خطے میں اور خاص طور پر ایران اور اس خطے کے رہنے والے مسلمانوں کے خلاف ایک خاص کردار دینا چاہتا ہے... امریکی صدر ٹرمپ اور ان کے ایرانی ہم منصب پزشکیان کے مابین 2026/6/18 کو ویڈیو لنک کے ذریعے مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط ہونے کے بعد بھی امریکہ اب تک وہ حاصل نہیں کر سکا جو وہ چاہتا تھا، اور مذاکرات تعطل کا شکار ہیں... چنانچہ وہ خطے کے ان بڑے ممالک کو ایران پر دباؤ ڈالنے کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے! تاکہ وہ ایران کو اپنے حلیف ہمسایہ ممالک کے گھیرے میں لے لے، اور اس طرح ٹرمپ کا خیال ہے کہ ایران نرم پڑے گا اور اس کے شرائط کو تسلیم کر لے گا، جس سے ٹرمپ آنے والے مڈ ٹرم (نصف مدتی) انتخابات میں اپنی پارٹی کو ناکامی سے بچا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریپبلکن امریکی نمائندے جو ولسن نے 2026/8/8 کو ایکس پلیٹ فارم پر اپنے صفحے پر اس معاہدے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: (سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان مشترکہ دفاعی معاہدہ امریکی صدر کا ایک اور کارنامہ ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں استحکام، امن اور خوشحالی کے فروغ کی راہ ہموار کرے گا)۔ اسی طرح ریاض میں واشنگٹن کے سابق سفیر مائیکل ریٹنی کا خیال ہے

کہ (امریکہ اس معاہدے کو خطے کی سلامتی کو مضبوط بنانے اور اس کے بقول ایران کے مسلسل حملوں سے نمٹنے کے لیے ایک اہم ذریعے کے طور پر دیکھتا ہے، اور اس طرح مکہ معاہدہ پورے خطے کے تحفظ میں مدد گار ثابت ہو گا، ان کا ماننا ہے کہ امریکی صدر ٹرمپ اس سہ فریقی بلاک کو اپنے لیے مدد گار اور استحکام کے فروغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ العربیہ نیٹ، 18/8/2026)۔ یہ سب کچھ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس معاہدے کے پیچھے خود امریکہ کا ہاتھ ہے اور یہ اس کے صدر ٹرمپ کی کامیابی ہے۔ اسی لیے امریکہ نے اپنے وفادار ان تینوں ممالک کو متحرک کیا ہے تاکہ انہیں ایران کے خلاف بالواسطہ دباؤ کے حربے کے طور پر استعمال کر سکے۔

7- چونکہ ترکی نیٹو کا رکن ہے، اس لیے وہ اس کے ارکان کی حفاظت کا پابند ہے جن میں امریکہ بھی شامل ہے، تو کیا وہ اپنے ان وعدوں اور ذمہ داریوں کے خلاف کام کر سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو امریکہ کے ساتھ اپنی وفاداری کے دائرے میں ہی کام کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے صدر ایردگان نے خاص طور پر امریکہ اور یورپ کے درمیان اتحاد میں آنے والی دراڑوں کو بھرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اسے مضبوط کرنے کے لیے کام کیا، چنانچہ انہوں نے 7 اور 8 جولائی 2026 کو انقرہ میں نیٹو کے رہنماؤں اور بالخصوص ٹرمپ کا استقبال کیا۔ انہوں نے ایئرپورٹ پر ٹرمپ کا استقبال کیا اور پھر انقرہ کے صدارتی محل میں ان کی زبردست پذیرائی کی، اور نیٹو سربراہ اجلاس سے پہلے ان کے ساتھ دو طرفہ ملاقات بھی کی، اور اس استقبال کے طور طریقوں سے دونوں کے درمیان گہری دوستی اور محبت کا واضح اظہار ہو رہا تھا۔ اس دورے کے دوران ٹرمپ نے یہ بیان دیا تھا: (سچ کہوں تو، اگر ترکی میں نیٹو کا یہ اجلاس نہ ہو رہا ہوتا اور یہاں میرے دوست ایردگان موجود نہ ہوتا، جو کہ ایک انتہائی مضبوط رہنما اور باوقار شخصیت ہیں، تو شاید میں اس اجلاس میں شرکت نہ کرتا)۔ انہوں نے ایران کے معاملے میں ترکی کے غیر جانبدارانہ رویے کی بھی تعریف کی... پس سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ اتحاد میں ایردگان کی شرکت دراصل امریکہ سے ان کی وفاداری اور شمالی اوقیانوس کے دفاعی معاہدے (نیٹو) کے تئیں ان کی وابستگی کے دائرے میں ہی آتی ہے۔

8- دوسری جانب، تہران سے سامنے آنے والے بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایران یہ سمجھ چکا ہے کہ ترکی، پاکستان اور سعودی عرب کے مابین ہونے والا یہ نیا دفاعی معاہدہ اسی کو نشانہ بنانے کے لیے ہے، چنانچہ اس معاہدے پر پہلے ایرانی ردعمل میں (ایرانی پارلیمنٹ کی قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کمیٹی کے رکن ابراہیم رضائی نے ایکس پر لکھا: "سعودیوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ترکی اور پاکستان کے ساتھ محض ایک 'کاغذی معاہدہ' انہیں سلامتی فراہم نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح جیسے امریکیوں پر دہائیوں پر محیط یکطرفہ انحصار انہیں تحفظ دینے میں ناکام رہا۔" انہوں نے سعودی عرب کو

مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا: "اپنی پالیسیاں تبدیل کریں تاکہ آپ کو سلامتی کے لیے دوسروں کی منتیں نہ کرنی پڑیں۔" سی این این عربی، 2026/8/7)۔ علاوہ ازیں، ایرانی اخبارات نے بھی، جیسا کہ القدس العربی اخبار نے 2026/8/9 کو نقل کیا ہے، اس معاہدے پر شدید حملے کیے، ایرانی سپریم لیڈر کے دفتر سے وابستہ اخبار "کیہان" کا یہ ماننا ہے کہ اس سہ فریقی معاہدے کا مقصد (یعنی مزاحمت، انصار اللہ، ایران اور مزاحمتی بلاک کا مقابلہ کرنا) ہے، اور اسی طرح پاسداران انقلاب سے قریبی تعلق رکھنے والی نیوز ایجنسی "تسنیم" نے لکھا کہ (سعودی عرب نے جب یہ جان لیا کہ اپنی سلامتی کے لیے امریکہ پر انحصار کرنا بے سود ہے، تو اس نے اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرنے کے بجائے مکہ میں ہونے والے اس سہ فریقی معاہدے کے ذریعے ترکی اور پاکستان میں بھاری سرمایہ کاری کر کے "سیکورٹی خریدنے" کی پالیسی کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا تاکہ "مزاحمتی محاذ" کے ردعمل کے سامنے خود کو محفوظ رکھ سکے)۔ یہ سب کچھ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایران اس معاہدے کے مقاصد کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے... یعنی یہ ایک ایسا آلہ کار ہے جسے امریکہ ایران کے خلاف دباؤ بڑھانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

9- اصل بات تو یہ ہے کہ یہ تینوں ممالک—ترکی، سعودی عرب اور پاکستان—اور باقی تمام اسلامی ممالک درحقیقت ایک ہی ملک اور ایک ہی ریاست ہونی چاہئیں، جو ایک ہی خلیفہ کے زیرِ سایہ ہوں جو ان پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکومت کرے، نہ کہ یہ الگ الگ آزاد ریاستیں ہوں جو استعماری طاقتوں کے مفادات کے لیے باہمی اتحاد کرتی پھریں اور ان کے بنائے ہوئے عسکری اتحادوں میں شامل ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی واضح اور محکم آیات میں اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے، اور تفرقہ و ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اور کفار کے ساتھ وفاداری اور ان کے مفاد کے لیے کام کرنے کو قطعی طور پر حرام کیا ہے، اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق حکومت کرنے کو حرام کیا ہے اور اسے کفر، ظلم، فسق یا ان تمام کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں دوسری خلافتِ راشدہ کی واپسی کا وعدہ فرمایا ہے: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ**﴾ "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلافت ضرور عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت

عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ قائم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کے خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا، وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں"۔(سورۃ النور، آیت:55)

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں ممالک اور دیگر تمام مسلم ممالک میں قائم اس جابرانہ دورِ حکومت کے خاتمے اور پھر خلافت کی دوبارہ واپسی کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے: **«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ»**"... پھر جابرانہ بادشاہت کا دور ہو گا، اور وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کا دور آئے گا۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔(رواہ احمد)

پس خلافت اللہ کے اذن سے لوٹ کر آنے والی ہے... لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ طے فرمایا ہے کہ ہمارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے آسمان سے فرشتے اتر کر ہمارے لیے خلافت قائم نہیں کریں گے، بلکہ ہمیں خود کام کرنا ہو گا، محنت اور تگ و دو کرنی ہو گی، اور جو کام ہم کریں اس میں سچائی اور اخلاص پیدا کرنا ہو گا، تب جا کر ہمیں اللہ کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کے پورا ہونے کا یقین حاصل ہو گا، اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے بالکل واضح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کام کیا، ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کی اسی طرح اقتدا کی، اور ہمیں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، تو پھر اللہ کی مدد و نصرت بلاشبہ آ جائے گی، اسی کے حکم سے: ﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ "اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے * اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔(سورۃ الروم، آیات:4-5)

5 ربیع الاول 1448 ہجری

18/8/2026 عیسوی

طرابلس سے بنغازی تک: کیا ترکی — امریکہ کا سہولت کار — لیبیا کا نقشہ از سر نو کھینچ رہا ہے؟

تحریر: انجینئر وسام الاطرش

(ترجمہ)

ترکی کے وزیرِ خارجہ ہاکان فیدان کا 11 اور 12 اگست 2026 کو لیبیا کا دورہ محض ایک اور روایتی سفارتی دورہ نہیں تھا۔ یہ ایک ایسے ملک کا دورہ تھا جہاں بیرونی دارالحکومتوں کو ہمیشہ طرابلس کے راستے داخل ہونے کی عادت رہی ہے۔ چنانچہ فیدان نے دارالحکومت میں عبدالحمید الدبیبہ، محمد المنفی اور محمد تکالہ سے ملاقات کی، جس کے بعد وہ بنغازی چلے گئے، جہاں انہوں نے خلیفہ حفتر، صدام حفتر، عقیلہ صالح اور بلقاسم حفتر سے ملاقاتیں کیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ترکی مشرق اور مغرب کو متحد کرنے اور ایک "متحدہ، خود مختار اور آزاد لیبیا" کی تعمیر میں مدد دینے کے لیے دونوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔

صرف یہی ایک تصویر ترکی کی پالیسی میں آنے والی اس تبدیلی کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ ترکی، جو 2019 میں طرابلس حکومت کے دفاع میں لیبیا کی جنگ میں داخل ہوا تھا اور دارالحکومت پر حفتر کے حملے کو پسپا کرنے کے بعد اس کی افواج اور فوجی مدد طرابلس حکومت کا اعتماد حاصل کرنے میں ایک فیصلہ کن عامل ثابت ہوئی تھیں، اب مشرقی لیبیا کو حریف کا کیمپ نہیں سمجھتا، بلکہ اب وہ دونوں فریقوں پر اثر و رسوخ کی چابیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب معاملہ یہ نہیں رہا کہ طرابلس بنغازی پر فتح حاصل کرے، بلکہ اب مقصد یہ ہے کہ آنے والے کسی بھی ممکنہ سمجھوتے کی شکل کچھ بھی ہو، لیبیا میں ترکی کی موجودگی برقرار رہے۔

اس لیے فیدان کے اس دورے کو اس سے پہلے کی جانے والی پیش رفت سے الگ تھلگ کر کے نہیں دیکھا جانا چاہیے۔ کیونکہ 24 جولائی 2026 کو فیدان نے انقرہ میں صدام حفتر کا استقبال کیا، ایک ایسی ملاقات میں جس نے مشرقی لیبیا کی طرف انقرہ کے بڑھتے ہوئے جھکاؤ کو واضح طور پر ظاہر کیا۔ اور اس سے قبل صدام 29 جون کو واشنگٹن کا دورہ کر چکے تھے، جہاں انہوں نے مسعد بولس کی موجودگی میں امریکی وزیرِ خارجہ مارکو روبیو سے ملاقات کی (مسعد بولس امریکی صدر

ڈونلڈ ٹرمپ کے عرب اور افریقی امور کے سینئر مشیر ہیں، جنہیں متعدد علاقائی امور کی نگرانی سونپی گئی ہے جن میں سب سے اہم لیبیا کے منظر نامے کو از سر نو ترتیب دینے کا امریکی منصوبہ ہے)۔ اس کے بعد انہوں نے اگلے دو دنوں تک لیبیا کے معاملے سے وابستہ امریکی حکام کے ساتھ اپنی ملاقاتیں جاری رکھیں، تاکہ فوجی ادارے اور دیگر لیبیائی اداروں کے اتحاد، ایک متحدہ حکومت کے قیام اور انتخابات کے انعقاد پر بات چیت کی جا سکے۔ اور ان رابطوں کا وقت کوئی اتفاقیہ نہیں تھا، کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ واشنگٹن مشرق میں طاقت کے نمایاں ترین مراکز میں سے ایک کے ساتھ براہِ راست چینل کھول رہا ہے، جبکہ انقرہ بھی اسی وقت ان کے ساتھ اپنا الگ چینل بنا رہا تھا۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ ترکی کی یہ پیش قدمی اسی کیمپ، اور خاص طور پر اس کے مرکز میں موجود صدام حفتر، کی طرف بڑھتی ہوئی امریکی پیش قدمی کے عین مطابق تھی، جو کہ مسعد بولس کی قیادت میں لیبیا کے اقتدار اور اداروں کی از سر نو ترتیب کے جاری سلسلے کا حصہ ہے۔

اور یہیں سے اس کی وسیع تر جغرافیائی سیاسی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ واشنگٹن اور انقرہ دونوں متوازی طور پر ایک ہی فائل پر کام کر رہے ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے طریقے سے، جیسا کہ فیدان نے اپنے دورے کے دوران لیبیا میں اداروں کو متحد کرنے کی کوششوں کی حمایت کرنے کی تڑپ اور بین الاقوامی کوششوں کو یکجا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنے کی خواہش کا اعادہ کیا، اور مستقل استحکام کے حصول کے لیے لیبیا میں اداروں کو متحد کرنے کے مقصد پر مبنی امریکی اقدام کی حمایت کا اظہار کیا (العربی الجدید، 13/08/2026)۔ اور اس طرح، محض طرابلس کے ذریعے ایک مستحکم لیبیا کی تعمیر ممکن نہیں ہے، اور ملک کے مشرق کی نمائندگی کرنے والی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مسعد بولس کا اقدام اپنے جوہر میں انتخابات کے مرحلے تک پہنچنے سے پہلے سیاسی, فوجی اور مالیاتی اداروں کو یکجا کرنے کی طرف گامزن دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ اقدام ایک متحدہ بجٹ کی منظوری، مشترکہ حفاظتی انتظامات کے قیام اور افریقہ میں امریکی فوجی کمانڈ "افریکام" کی نگرانی میں سرت میں فوجی مشقوں کے انعقاد کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے (الجزیرہ، 02/07/2026)۔ اس تناظر میں، امریکی-لیبیائی حفاظتی اور فوجی تعاون محض ایک تربیت سے بڑھ کر ہے، یہ ایک ایسا ماحول تیار کرنے کی کوشش ہے جس پر ایک متحدہ لیبیائی فوجی ادارہ قائم ہو سکے۔

اور یہیں سے ترکی اور امریکہ کے باہمی گٹھ جوڑ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ترکی مغرب میں گہرا فوجی اور حفاظتی اثر و رسوخ رکھتا ہے، اور ساتھ ہی اس نے مشرق کے ساتھ بھی اپنے روابط بنانا شروع کر دیے ہیں، جبکہ امریکہ فریقین کو جمع کرنے اور فوجی و مالیاتی اداروں کو از سر نو منظم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اگر یہ سلسلہ کسی ایسے تصفیے کی طرف لے جاتا ہے جس میں مشرق اور مغرب اقتدار میں شراکت دار بنیں، تو مستقبل کے طرزِ حکومت میں حفتر خاندان کا ابھرنا ایک

ایسا امکان بن جاتا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ موجودہ موازنہ قوت صدام حفتر کو اقتدار کے کسی بھی مستقبل کے فارمولے میں شامل کرنا ناگزیر بنا دیتا ہے۔

اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ترکی اور لیبیا کا تعاون صرف سیاست تک محدود نہیں ہے۔ چنانچہ سلامتی اور دفاع اگرچہ سٹریٹیجک تعلقات کی فہرست میں سب سے آگے ہیں، لیکن یہ توانائی، بنیادی ڈھانچے، تعمیرِ نو اور تجارت کی راہیں بھی کھولتے ہیں۔ اور ترک کمپنیوں نے خود مشرقی لیبیا میں بھی اپنے کام کا دائرہ بڑھایا ہے، جن میں بنغازی، البیضاء، شحات اور طبرق کے منصوبے شامل ہیں۔ اور اس طرح فوجی طاقت اقتصادی اثر و رسوخ میں بدل جاتی ہے، اور معیشت اپنے طور پر سیاسی اثر و رسوخ کو مضبوط بنانے کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔

اور شاید ترکی کی حکمتِ عملی کے علامتی پہلو کو سب سے زیادہ نمایاں کرنے والی چیز بنغازی میں عمر المختار کی قبر پر فیدان کا کھڑا ہونا ہے۔ مزار کا انتخاب محض کوئی پروٹوکول کا حصہ نہیں تھا، بلکہ فیدان نے لیبیا کی قومی تاریخ کے سب سے معتبر اور مستحکم کردار کو مخاطب کرنے کا انتخاب کیا، اور اس مجاہدِ آزادی کی یاد تازہ کی جسے استعماری اٹلی نے 1931 میں پھانسی دی تھی۔

اور یہاں ترکی لیبیا کے لوگوں کے سامنے خود کو محض ایک بحیرہ روم کی طاقت کے طور پر پیش نہیں کر رہا جو صرف اپنے مفادات کی تلاش میں ہو، بلکہ ایک ایسی ریاست کے طور پر پیش کر رہا ہے جو خطے کے ساتھ تاریخی اور جذباتی یادوں کے رشتے سے جڑی ہوئی ہے، اس یورپ کے برعکس جس کی لیبیا میں تاریخ استعمار اور قبضے سے وابستہ رہی ہے۔ یہ ایک ایسی علامتی پالیسی ہے جو مادی قوت کی تکمیل کرتی ہے؛ ایک طرف ہتھیار، تربیت اور سرمایہ کاری ہے، تو دوسری طرف یادیں اور شناخت ہیں۔

اس لیے آج لیبیا واقعی بنیادی طور پر یورپی اثر و رسوخ سے نکل کر ایک ایسے میدان میں تبدیل ہو تا ہوا نظر آ رہا ہے جہاں ترکی اور امریکہ کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے، جو باقی ماندہ یورپی نفوذ کو بیدخل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جو ایسے معاشی، حفاظتی اور توانائی کے مفادات سے جڑا ہے جو اس بوڑھے براعظم کی بقا کی ضروریات کو بھی پورا نہیں کرتے۔ اور کھیل کے اصولوں میں تبدیلی کے ساتھ، اب لیبیا کے اندر عسکری اور اقتصادی طور پر متحرک قوتیں مشرق اور مغرب میں اس کے مستقبل کو نئی شکل دینے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔

اور یہاں یہ معاملہ مغربِ عربی کے پڑوسی ممالک کے زاویے سے سامنے آتا ہے۔ چنانچہ اگر امریکہ مشرق اور مغرب کو یکجا کرنے پر زور دے رہا ہے، ترکی ان دونوں کے ساتھ متوازی تعلقات بنا رہا ہے، اور خود بنغازی ایک زیادہ پرکشش

شہری اور معاشی مرکز میں تبدیل ہو رہا ہے، تو تونس، الجزائر اور مصر اسے محض ایک خالصتاً لیبیائی معاملہ قرار دے کر نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ لیبیا کی از سرِ نو تشکیل کا عملی مطلب شمالی افریقہ میں طاقت کے توازن کو نئے سرے سے ترتیب دینا ہے۔

اور اس لیے سب سے اہم سوال صرف یہ نہیں ہے کہ: متحدہ لیبیا پر حکومت کون کرے گا؟ بلکہ یہ ہے کہ: وہ فریم ورک کون تیار کرے گا جس کے تحت یہ اتحاد جنم لے گا؟ کیونکہ اگر لیبیا کا اتحاد کسی امریکی اور ترک چھتری تلے قائم ہوتا ہے، تو یہ اندرونی تقسیم کو ختم کرنے میں تو کامیاب ہو سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بیرونی طاقتوں کے مراکز پر ایک نئے انحصار کو بھی مضبوط کر سکتا ہے۔ لیکن اگر لیبیا کے عوام اس بین الاقوامی سنگم کو ایک خود مختار ریاست کی تعمیر کے موقع میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو لیبیا ایک مختلف تاریخی موڑ پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

اور ایک وسیع تر اور سب سے اہم سوال بر قرار رہتا ہے: مغربِ اسلامی اپنے جغرافیے، تاریخ، ثقافت اور تہذیبی شناخت کے مشترکہ رشتوں کے باوجود، منصوبوں کو قبول کرنے والی پوزیشن سے نکل کر خود اپنے فیصلے اور منصوبے بنانے والے کی حیثیت کیوں نہیں اختیار کر سکتا؟ لیبیا کا مستقبل صرف واشنگٹن، انقرہ اور یورپ کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی تونس، الجزائر، لیبیا، مراکش اور یہاں تک کہ موریطانیہ کی بیداری اور ترقی کو ان بڑی طاقتوں کے توازنِ قوت کا یرغمال بنے رہنا چاہیے جنہوں نے اقوام کی تقدیر کے ساتھ کھیلنا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔

پس شاید عمر المختار کی قبر پر فیدان کی کھڑی ہونے والی تصویر سے حاصل ہونے والا سب سے گہرا سبق یہ ہے کہ اس خطے کو صرف لیبیا کو متحد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسے اپنی سٹریٹیجک مرضی و فیصلے کی طاقت کو یکجا کرنے کی صلاحیت بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسا اتحاد جو ان مصنوعی خیالی سرحدوں سے بالاتر ہو، اور اس خطے کو — جس نے ہجرت کی تیسری دہائی سے پہلی خلافتِ راشدہ کی آغوش بننے کا شرف حاصل کیا — اس قابل بنائے کہ وہ اپنے فیصلوں کے مطابق اپنی سلامتی، معیشت اور بیداری کو پروان چڑھا سکے۔ اور تاریخ، تہذیب اور اسلام کا یہ رشتہ محض ایک مشترکہ یادگار رہنے کے بجائے ایک ایسے مستقبل کی بنیاد بن جائے جس میں نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی بشارت پوری ہو سکے، تاکہ مغربِ اسلامی، استعمار کے خلاف ایک صدی کی جدوجہدِ آزادی کے بعد، محض ایک ایسا میدان بن کر نہ رہ جائے جہاں بیرونی قوتیں اسے اپنی مرضی سے از سرِ نو تشکیل دینے کے لیے باہم برسرِ پیکار ہوں۔

تونس کی دھرتی پر امریکی فوجی تنصیب، تو آزاد مرد کہاں ہیں؟!

امریکی حکام نے 29/07/2026 کو امریکی سرکاری خریداری کے پورٹل کے ذریعے بنزرت شہر میں 'بحری مرکزِ فضیلت' (میرین سینٹر آف ایکسیلنس) کے قیام کا منصوبہ دوبارہ پیش کیا ہے۔ افریقہ میں امریکی بحری افواج کے کمانڈر ایڈمرل جارج ایم وائکوف نے اس زیرِ تعمیر مرکز کا دورہ کیا اور اسے بحری کمانڈوز کی تربیت کے لیے مخصوص قرار دیتے ہوئے کہا تھا: "(بحری مرکزِ فضیلت علاقائی سلامتی میں ایک اہم سرمایہ کاری کی نمائندگی کرتا ہے، اور یہ تنصیب انتہائی ہنر مند بحری عملہ تیار کرنے، شراکت دار ممالک کے درمیان باہمی عملیاتی مطابقت (انٹر آپریبلٹی) کو مضبوط بنانے، اور کثیر القومی تربیت کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوگی)"۔ یہ بات یورپ اور افریقہ میں امریکی بحری افواج اور چھٹے بحری بیڑے کی جانب سے 14 جون 2026 کو جاری کردہ ایک بیان میں کہی گئی تھی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ولایہ تونس میں حزب التحریر کے میڈیا آفس سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں کہا گیا ہے: تو پھر کسی احتساب کے خوف کے بغیر، صدر قیس سعید تونس کی سرزمین پر ایک مستقل امریکی فوجی تنصیب قائم کرنے کی اجازت دے رہے ہیں، اور ہم حزب التحریر / ولایہ تونس میں درج ذیل نکات کی تاکید کرتے ہیں:

1۔ اگر امریکی دشمن کے ساتھ فوجی مشقیں اور پینترے بازی 2015 میں 'ممتاز اتحادی' کے معاہدے پر دستخط ہونے کے وقت سے ہی جاری ہیں اور 2020 کے 'روڈمیپ' معاہدے کے بعد ان کی رفتار تیز ہو گئی تھی، تو پھر تونس کی سرزمین پر ایک امریکی فوجی تنصیب قائم کرنے اور اسے کثیر القومی تربیت کے علاقائی مرکز میں تبدیل کرنے کا کیا جواز ہے؟ سوائے اس کے کہ یہ تونس کو افریقہ میں امریکی افواج 'افریکوم' (AFRICOM) کے لیے ایک پیشگی فوجی اڈا بنانے کا پیش خیمہ ہو؟ مثال کے طور پر بحرین میں امریکی اڈا پہلے محض ایک چھوٹی سی بحری تنصیب تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک امریکی فوجی اڈے میں تبدیل ہو گئی اور ان کے پانچویں بحری بیڑے کا مرکز بن گئی۔

2۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ، بحری سلامتی کے فروغ اور علاقائی دفاع وغیرہ کے مقاصد کے تحت اس تنصیب کو کثیر القومی تربیت کے علاقائی مرکز کے طور پر استعمال کرنے کے بارے میں امریکہ کی گفتگو دراصل افریقہ میں عسکری مداخلت کو قانونی جواز فراہم کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ اس کا مقصد کمزور سیکولر حکومتوں کو اقتدار میں رہنے کے لیے مدد فراہم کرنا اور انقلابی عوام کو مغربی تسلط اور اس کے مقامی مہروں سے آزادی حاصل کرنے سے روکنا ہے۔ نیز شراکت

دار ممالک کے درمیان جس نام نہاد 'باہمی تعاون' کی بات کی جارہی ہے، وہ امریکی فوج کی نگرانی میں ان حکومتوں کی عسکری صلاحیتوں کو بڑھانا ہے تاکہ وہ بالواسطہ طور پر (پروکسی کے ذریعے) چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں، اور یوں امریکہ افریقہ اور بحیرہ روم میں براہِ راست عسکری شمولیت سے بچ سکے۔ خاص طور پر ایران کی جنگ میں الجھنے اور عراق و افغانستان کی جنگوں میں اپنی بدترین ناکامی کے بعد وہ ایسا ہی کرنا چاہتا ہے۔

3۔ تونس کی سرزمین کا ایک حصہ امریکہ کے حوالے کرنا اور اس کے ساتھ فوجی اور حفاظتی (سیکیورٹی) معاہدے کرنا شرعی طور پر حرام ہے، جس کا مرتکب دنیا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب مسلمانوں اور ان کے ممالک پر کفار کا تسلط قائم ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿**وَلَن يَجْعَلَ اللّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً**﴾"اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب آنے کا کوئی راستہ نہیں دے گا"(سورۃ النساء: 141)۔

اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنایا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿**لاَّ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ**﴾ "مومنوں کو چاہیے کہ وہ مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا مددگار اور دوست نہ بنائیں"(سورۃ آل عمران: 28)۔

بیان کے آخر میں تونس کے لوگوں کو، جو کہ بہادر مجاہدین کا ملک ہے، یاد دلایا گیا کہ: شرعی طور پر واجب یہ ہے کہ ان معاہدوں کو منسوخ کرنے اور ہمارے ملک سے امریکی اور تمام غیر ملکی فوجی وجود کے خاتمے کے لیے کام کیا جائے، تاکہ تونس دوسری خلافتِ راشدہ کی ریاست کا ایک اہم مرکز اور مقبوضہ مسجدِ اقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کا نقطہ آغاز بن سکے۔ اگر ہم نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں پر ہماری فتح کی ضمانت دی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿**وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ**﴾ "اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہے"(سورۃ الطلاق: 3)۔

امریکہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عراق کے معاملات چلارہا ہے! یہ ایک بہت بڑی رسوائی اور سنگین جرم ہے

انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ عراق، جو کبھی خلافت کا مرکز ہوا کرتا تھا اور جس کا خلیفہ قیصر روم کو یہ مخاطب کرتا تھا کہ "جواب وہ ہے جو تم دیکھو گے، نہ کہ جو تم سنو گے"، اور پھر مسلمانوں کی فوجیں حرکت میں آتیں اور اسے ایسا سبق سکھاتیں کہ وہ اپنے ہوش ٹھکانے لے آتا.. اس ملک کے معاملات کو آج امریکہ چلارہا ہے، نہ صرف سیاسی طور پر، بلکہ عراق کے فنڈز (مالی اثاثے) بھی امریکہ کے قبضے میں ہیں، یہاں تک کہ عراق کی حکومت اپنے ملازمین کو تنخواہیں تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ امریکہ اس کے اپنے ہی پیسوں میں سے کچھ دینے کی اجازت نہ دے دے! واقعی یہ ایک بہت بڑی رسوائی اور سنگین جرم ہے۔ اور ان حکومتوں کے بارے میں اللہ قوی و عزیز کا فرمان بالکل سچ ہے: ﴿**سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ**﴾ "ان مجرموں کو ان کی مکاریوں کے بدلے اللہ کے ہاں ذلت اور شدید عذاب پہنچ کر رہے گا" (سورۃ الانعام: 124)۔

اور امت اس ذلت سے تب تک نجات حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اس رہبر و رہنما جماعت، حزب التحریر، جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی، کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کر کے اپنی دوسری خلافتِ راشدہ کو دوبارہ قائم نہ کر لے اور تب اللہ کا وعدہ پورا ہو گا: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ..**﴾ "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (حکمرانی) عطا فرمائے گا" (سورۃ النور: 55)۔

اور پھر اس جبری دورِ حکومت کے بعد، جس میں ہم اب جی رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خوشخبری پوری ہو گی: **فَقَالَ حُذَيْفَةُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «.. ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ**

يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ» حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "... پھر زبردستی اور جبر کی بادشاہت ہو گی، اور جب تک اللہ چاہے گا یہ رہے گی، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا تو اٹھالے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی، اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔

اور پھر اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہو گی: ﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ "اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے * اللہ کی دی ہوئی نصرت (مدد) پر، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب اور نہایت رحم کرنے والا ہے" (سورۃ الروم:4-5)۔

(حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کے جاری کردہ سوال وجواب سے اقتباس)

ایران پر امریکہ کی جنگ کے نسبتی سکون پر ایک نظر

تحریر: ڈاکٹر عبد الالہ محمد –ولایہ اردن

(ترجمہ)

ایران اور امریکہ کے درمیان قائم نازک سکون اپنے دامن میں کئی پہلو رکھتا ہے، خاص طور پر فوجی اور سیاسی کشیدگی کے تسلسل کے سائے میں، جو ایران پر امریکی جنگ کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ اور پوری دنیا کی سطح پر پیدا ہوئی ہے۔ اس جنگ کے ساتھ ہی توانائی کی منڈیوں اور سمندری گزر گاہوں میں عدم استحکام بھی پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سیکیورٹی، معاشی اور سیاسی حساب کتاب، ان کے اثرات اور علاقائی و بین الاقوامی ممالک کے مفادات کا ایک پیچیدہ امتزاج ہے۔ اس لیے اس سکون کو متعدد اور باہم جڑے ہوئے زاویوں سے دیکھنا ضروری ہے، جو اس واقعے کو نہ صرف امریکہ کے نقطہ نظر سے دیکھے، بلکہ ایران، خطے کے ممالک، چین، یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک کے نقطہ نظر سے بھی دیکھے، کیونکہ اس جنگ کے نتیجے میں ان سب کو نقصانات پہنچے ہیں۔

امریکہ نے انتہائی تکبر اور فرعونیت کے ساتھ 28 فروری 2026 کو ایران کے خلاف جنگ شروع کی، جس کا مقصد اسے ایک ایسے ملک سے جو امریکی مدار میں گھومتا ہے، ایک ایسے ملک میں تبدیل کرنا تھا جو ایک کٹھ پتلی ملک ہو اور جو اس کے نئے مشرقِ وسطیٰ کے تصورات کو پورا کرے، اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ جنگ اپنے مقصد کے حصول کے لیے صرف چند گنتی کے دنوں تک ہی جاری رہے گی۔

تاہم، پاسدارانِ انقلاب کے اندر سے اٹھنے والی بعض آوازوں کا خیال تھا کہ امریکہ نے جو کچھ کیا، اور اس کے ہاتھوں صفِ اول اور صفِ دوم کی قیادت کا قتلِ عام، ایران کی ان خدمات کا صلہ نہیں تھا جو اس نے چالیس سال سے زائد عرصے تک امریکہ کو فراہم کی تھیں۔ پاسدارانِ انقلاب اس دھچکے کو برداشت کرنے میں کامیاب رہے، اندرونی اضطراب پر قابو پایا، اور ایک نئے رہبر کا تعین کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے امریکی مدار میں گھومنے سے آزادی حاصل کرنے کے امکان کو دیکھا۔ ان آوازوں کا امریکی خواہشات کی موافقت کرنے والے سیاسی طبقے پر نمایاں اثر قائم ہو گیا، جس کے بعد انہوں نے امریکی فوجی اڈوں اور یہودی وجود پر دردناک ضربیں لگائیں جس سے انہیں شدید نقصان

پہنچا، اور انہوں نے اپنے پاس موجود ایک پتے کا استعمال کیا جو کہ آبنائے ہرمز کی بندش ہے، جس کی وجہ سے اس جنگ کے اثرات اور دائرہ کار دنیا کے تمام ممالک تک پھیل گیا۔

یہ رائے جنگ کے دنوں اور اس کے بعد ہونے والے ادوار اور مذاکرات کے دوران حالات کے مطابق ابھرتی اور دبتی رہی۔ ان مذاکرات کے ایک دور میں ایران کا سیاسی دھڑا امریکہ کے ساتھ جنگ بندی کے ایک معاہدے کے فریم ورک پر دستخط کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس کی کوشش امریکہ نے اپنے بحران سے نکلنے کے لیے کی تھی، اور اس مقصد کے لیے پاکستان اور دیگر ممالک میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایران پر دستخط کرنے کے لیے دباؤ ڈالا۔ اس وقت حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم عطاء بن خلیل ابو الرشتہ نے ایک سوال کا جواب جاری کیا جس میں انہوں نے اس معاہدے کی دفعات میں موجود مخفی خطرات کو واضح کیا، اور اس کی تصدیق جنگ کے مزید کچھ دنوں کے لیے دوبارہ شروع ہونے سے ہو گئی۔

اس جنگ نے امریکہ کے اعلانیہ اہداف میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا، بلکہ اس نے اس کی کمزوری اور ناتوانی کو ظاہر کر دیا۔ اس کی مدت چھ ماہ سے زیادہ ہو گئی جس کے دوران سیاسی اور فوجی سطح پر امریکہ کے اندر شدید تقسیم کھل کر سامنے آئی، جس کے نتیجے میں متعدد برطرفیاں اور استعفے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی، توانائی کی قیمتوں میں اضافے سے ہونے والے نقصان کی وجہ سے جنگ بند کرنے کا مطالبہ کرنے والی وسیع عوامی آوازیں اٹھیں، اور گولہ بارود کے ختم ہونے، ختم ہو جانے اور اس کی تلافی کرنے کی عدم صلاحیت پر فوجی مخالفت سامنے آئی، کیونکہ امریکہ ایک ایسے معاشی بحران کا شکار ہے جس نے اس کے قرضوں کے حجم کو چالیس ٹریلین ڈالر سے زائد تک پہنچا دیا ہے، اور مینوفیکچرنگ کو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے برسوں درکار ہیں۔ یہ بات ٹرمپ اور ان کے وزیرِ جنگ کے درمیان علانیہ اختلاف اور فوجی قیادت کی جانب سے جنگ روکنے کی ضرورت کے مطالبے سے ظاہر ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وسط مدتی انتخابات بھی قریب آ رہے ہیں جن کے نتائج دو سال بعد ہونے والے اگلے صدارتی انتخابات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

ان تمام چیزوں نے امریکہ کو جنگ روکنے اور ایسے متبادلات تلاش کرنے پر مجبور کیا جو اسے اس کے بحران سے نکالیں اور اس کے اہداف حاصل کریں، یا کم از کم معاملات کو جوں کا توں رکھیں۔ چنانچہ بحری ناکہ بندی کی گئی جس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، اور زمینی مداخلت کی کوشش کی گئی جو ناکام رہی، اور پاسدارانِ انقلاب کے ساتھ خفیہ مذاکرات کے چینلز بے نتیجہ رہے، اور لبنان، یمن اور عراق میں ایران کے بازوؤں کو کاٹنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا، جس کے بعد آبنائے باب المندب

میں بحری آمدورفت کو محفوظ بنانے کے لیے 12 سے زائد ممالک کے ساتھ سعودی عرب کا بحری اتحاد عمل میں آیا، اور اس کے بعد سعودی، ترکی اور پاکستانی فوجی اتحاد قائم ہوا، تاکہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کریں، اور ایران پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایک پتے کے طور پر استعمال کیا جاسکے تاکہ وہ شاید امریکہ کے مطالبات کے آگے جھک جائے، جبکہ ایران کو نقصان پہنچانے کے لیے معاشی پابندیوں میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔

جی ہاں، امریکہ کے پاس اتنے فوجی ساز و سامان اور آلات موجود ہیں جو اسے ایران پر ایک بڑا فوجی حملہ کرنے کے قابل بناتے ہیں جس سے معاملات ختم ہو جائیں، لیکن اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اس حد تک کمزور ہو جائے گا کہ اپنے حریفوں، بالخصوص چین کے سامنے دنیا کی پہلی طاقت کے طور پر اس کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور خطے کے حکمرانوں کی طرف سے ظاہر کی جانے والی ناراضگی اور بے چینی سامنے آئے گی جو ممالک اور عوام کے نقصان اور ایران کے حملوں سے ان کی حفاظت کرنے کی امریکہ کی عدم صلاحیت کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک ایسا حملہ ہو سکتا ہے جو پورے خطے بلکہ پوری دنیا میں ایسی افراتفری کا باعث بنے گا جس پر امریکہ قابو پانے کے قابل نہیں رہے گا، اور معاملات ایسے واقعات کی طرف کھل جائیں گے جو اس کے قابو سے باہر ہو سکتے ہیں۔

امریکہ نے دنیا کی پہلی طاقت کے طور پر اپنے وجود کے سالوں کے دوران قتل، تباہی اور بمباری کی اپنی دیرینہ عادت پر عمل کیا ہے، اور ایران میں بھی ایسا ہی کیا، لیکن جب اسے کچھ حاصل نہ ہوا تو اس نے اس دور کے "رویبضات" (نا اہل حکمرانوں) کو ایران کے ساتھ اپنے مذاکرات کی سرپرستی کرنے کا حکم دیا تاکہ شاید وہ اسے اس کے بحران سے نکال سکیں، اور وہاں اس کے لیے ایسے غدار تلاش کر سکیں جو اسے وہ حاصل کرنے کے قابل بنائیں جس سے وہ عاجز رہی۔ تاہم، اب ایران میں جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ ان لوگوں کے پلڑے کا بھاری ہونا ہے جو امریکہ سے آزادی حاصل کرنے کی پکار لگا رہے ہیں، ایک ایسا غلبہ جسے اگر اللہ کی رضا کے مطابق استعمال نہ کیا گیا تو یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

یہ ایک ایسا پیغام ہے جو ہم بھیج رہے ہیں جس سے ہمارا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اور ایک نصیحت ہے جو ہم ایران میں زمامِ کار سنبھالنے والوں کو پیش کرتے ہیں: بے شک امریکہ اور اس کے پروردہ (یہودی وجود) پر آپ کی بمباری نے انہیں تکلیف پہنچائی اور ان کی کمزوری اور رسوائی کو ظاہر کیا، اور یہ کہ ساز و سامان کے مالک ہونے کے باوجود وہ مردانِ کار سے محروم ہیں۔ اور یہ کہ آپ اپنی فوجی اور صنعتی صلاحیتوں، اور اس تزویراتی مقام اور جغرافیائی تنوع کی بدولت جو اللہ تعالیٰ نے ایران کو بخشا ہے جس سے وہ اپنی خوراک خود تیار کر سکتا ہے، اور توانائی، گیس

اور معدنیات کے جو ذرائع اللہ نے اسے عطا کیے ہیں، اور ایک ربانی آئیڈیالوجی کی بدولت؛ اللہ عزوجل کی معیت سے ایران کو دوسری خلافتِ راشدہ کا مرکز بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس فرقہ وارانہ، مسلکی اور قومی بیانیے کو چھوڑ دیں اور اسلام کے اس خالص اور پاکیزہ بیانیے کو اختیار کریں جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اسے مسلم اقوام اور ان کے مخلص فوجیوں کی طرف موڑ دیں، کیونکہ یہ لمحہ فیصلہ کن ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے، شاید اسے سننے اور سمجھنے والے کان مل جائیں۔

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾

"اور اگر تم منہ پھروگے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، پھر وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے" (سورۃ محمد، آیت 38)

امریکہ اور یہودی وجود کے مابین دفاعی تعاون کو فروغ دینے کا امریکی قانون

تحریر: استاد مناجی محمد

(ترجمہ)

امریکی نیشنل ڈیفنس اتھورائزیشن ایکٹ برائے مالی سال 2027 کی دفعہ 219 میں امریکہ اور یہودی وجود کے مابین دفاعی ٹیکنالوجی کے شعبے میں باہمی تعاون کے اقدام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اس میں دیگر امور کے علاوہ یہ درج ہے:

- اسرائیل کے ساتھ تعاون کو مربوط بنانے کے لیے امریکی وزارتِ دفاع کے اندر ایک انتظامی ادارہ قائم کرنا۔
- دفاعی ٹیکنالوجیز کے شعبے میں تحقیق و ترقی (آر اینڈ ڈی)، جانچ، تشخیص اور انضمام کو وسعت دینا۔
- مشترکہ عسکری صنعتی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرنا۔
- بعض اسرائیلی ٹیکنالوجیز کو امریکی اسلحہ سازی کے پروگراموں میں ضم کرنا، جہاں بھی مناسب سمجھا جائے۔
- مشترکہ تربیت اور معلومات کے تبادلے کو فروغ دینا۔

بعض امریکی تجزیہ کاروں اور ارکانِ پارلیمنٹ نے اس دفعہ کو دونوں ممالک کی دفاعی صنعتوں اور عسکری اداروں کے مابین گہرے انضمام کی کوشش قرار دیا ہے، اور اسے دونوں فوجوں کے قانونی الحاق کے مترادف سمجھا جا رہا ہے۔ اس کی یہ تشریح بھی کی گئی ہے کہ امریکی کانگریس امریکہ اور یہودی وجود کے مابین گہرے عسکری اور تکنیکی الحاق کی طرف بڑھ رہی ہے۔

امریکہ کی جانب سے قانون سازی اور ریاستی اداروں کے ذریعے یہودی وجود کو اپنے اسٹریٹجک مفادات کے ساتھ مضبوط دفاعی و عسکری زنجیر میں جکڑنے اور اسے اپنے سیکورٹی ڈھانچے کا ایک بنیادی حصہ بنانے کی کوششوں کے اسٹریٹجک پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے، بین الاقوامی منظر نامے پر رونما ہونے والے چند اسٹریٹجک حقائق اور نئی تبدیلیوں کا جائزہ لینا ناگزیر ہے جو اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہیں:

پہلی حقیقت تو خود یہودی وجود کا وجود ہے، جو امریکہ کے لیے ایک اہم اسٹریٹجک عسکری اڈے کی حیثیت رکھتا ہے۔ طوفان الاقصیٰ آپریشن اور ایران کے خلاف جنگ کے نتیجے میں اس اڈے کے بے نقاب ہونے کے بعد، اب اس کی نئے سرے سے مرمت، بحالی اور اسے دوبارہ عسکری مقاصد کے لیے تیار کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

مزید براں، امریکی عسکری ادارے اور یہودی وجود کی فوج کے مابین اس عسکری و صنعتی الحاق، دفاعی و سیکورٹی شراکت داری، اور آپریشنل ہم آہنگی کے پیچھے کارفرما امریکی اسباب، مقاصد اور اسٹریٹجک غایات کو سمجھنے کے لیے:

اول: یہودی وجود کے ساتھ امریکہ کے عسکری و سیکورٹی تعلقات کو مزید گہرا کرنے کے اہم ترین اسٹریٹجک اسباب اور محرکات کو سمجھنا:

سب سے اہم وجوہات میں سے ایک امریکی اسٹریٹجک اور جیو اسٹریٹجک اثر ورسوخ کے مرکز کا، اور اس کے ساتھ ہی اس کی تمام تر توجہ اور کوششوں کا چین اور ہند-الکاہل (انڈو-پسیفک) خطے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ بائیڈن انتظامیہ کے دور سے ہی امریکی قومی سلامتی کی حکمتِ عملی روس کو ایک شدید خطرہ اور چین کو تیزی سے ابھرتا ہوا چیلنج قرار دیتی ہے۔ اس صورتحال کے تحت ناگزیر ہو گیا ہے کہ امریکہ خاص طور پر ہمارے خطے میں اپنی مضبوط اور مرکوز عسکری موجودگی پر نظر ثانی کرے، تاکہ وہ ہند-الکاہل خطے میں چینی اثر ورسوخ کے پھیلاؤ کو روکنے اور یورپی خطے میں روس کو قابو کرنے کے لیے اپنی عسکری قوتوں کا رخ اس طرف موڑ سکے۔

دوم: اس سیکورٹی اور عسکری انضمام کے پیچھے پوشیدہ مقاصد، غایات اور طریقہ کار:

اس انضمام کی وضاحت اور مقصد امریکہ کی اس حکمتِ عملی میں ملتا ہے جس کے تحت وہ خطے سے اپنی عسکری افواج کو کم کر کے اپنے اسٹریٹجک ذخائر کا رخ چین کی طرف موڑنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں خالی ہونے والے خلا کو پُر کرنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ امریکی عسکری موجودگی میں کمی کی صورت میں پیدا ہونے والے سیکورٹی، عسکری اور اسٹریٹجک خلا کو پُر کرنے کے لیے امریکہ نے عسکری کردار اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بوجھ کو اٹھانے کے لیے مقامی آلہ کاروں اور عسکری شراکت داروں کی حکمتِ عملی پیش کی ہے۔ یہ کام امریکی قیادت میں مقامی ایجنٹوں پر مشتمل ایک علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کے قیام، اور خطے میں امریکہ کے کردار کو ایک تسلط پسند قائد کی بجائے محض ایک سرگرم کوآرڈینیٹر (مربوط کار) میں تبدیل کرنے کے ذریعے انجام دیا جائے گا۔ خطے کی اس نئی دفاعی اور اسٹریٹجک تشکیلِ نو کا مقصد مشرقِ وسطیٰ کے اس نئے منصوبے (نیو مڈل ایسٹ پراجیکٹ) کو آگے بڑھانا ہے، جو اسلام کے احیاء اور اس کے متبادل منصوبے کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ چین کے خلاف امریکہ کی عظیم تر حکمتِ عملی کی خدمت کرتا ہے۔ خطے

کے اس علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کے مرکز میں یہودی وجود کو ضم کرنا اور اسے امریکی سیکورٹی کے نئے نظام کا بنیادی مرکز اور سب سے پہلا آلہ کار بنانا شامل ہے۔

یہودی وجود کو اس نئے سیکورٹی ڈھانچے کے مرکز میں لانے کا بنیادی ذریعہ "ابراہیم معاہدات" (ابراہام اکارڈز) ہیں، جن کا اسٹریٹجک مقصد اس یہودی وجود کو سیکورٹی کے لحاظ سے خطے میں ضم کرنا ہے، اور اسے اسلام کا مقابلہ کرنے اور اس کے احیاء کے منصوبے کو روکنے کے لیے آلہ کار حکومتوں کی قیادت کرنے والے ایک تہذیبی مرکز کے طور پر فعال کرنا ہے۔ ساتھ ہی اسے خطے میں عسکری، دفاعی اور اسٹریٹجک خلا پُر کرنے کے لیے امریکہ کے آلہ کاروں کے سربراہ کے طور پر مقرر کرنا ہے۔

ایران کے خلاف جنگ کے ساتھ جو نئی چیز سامنے آئی ہے وہ امریکہ کا شدید معاشی و عسکری بحران اور اس کے اسٹریٹجک ذخائر کا ختم ہونا ہے (کیونکہ اس نے خود ایران کے اندر اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے غیر معمولی مقدار میں گولہ بارود کا استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ دفاعی اسٹریٹجی کی ماہر میکنزی ایگلن نے اشارہ کیا ہے کہ امریکی فوج نے چند ہفتوں کے دوران ایک ہزار سے زائد ٹوماہاک کروز میزائل فائر کیے، جبکہ امریکہ سالانہ صرف 90 سے 100 میزائل ہی تیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی طرح امریکہ نے ایرانی میزائلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف 28 فروری سے 8 اپریل کے درمیان تھاڈ (THAAD) سسٹم سے کم از کم 190 انٹرسیپٹر میزائل اور پیٹریاٹ سسٹم سے 1060 انٹرسیپٹر میزائل استعمال کیے۔ یہ تعداد جنگ سے پہلے امریکہ کے پاس موجود کل ذخائر کا بالترتیب 53 فیصد اور 46 فیصد بنتی ہے، اور ان دفاعی میزائلوں کی موجودہ پیداواری شرح کو مدنظر رکھتے ہوئے، اگر امریکہ کو ضرورت پڑی تو وہ متعدد جنگی محاذوں پر بیک وقت فضائی خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکے گا)، سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز (CSIS) کے مطابق۔

اس کے علاوہ خلیج میں امریکی اڈوں کو پہنچنے والا تباہ کن نقصان اور حالیہ حملوں میں اردن کے امریکی اڈے کو پہنچنے والا شدید نقصان بھی اس میں شامل ہے۔

ان غیر معمولی طور پر سنگین اسٹریٹجک اور عسکری حالات نے امریکہ کے لیے خطے میں یہودی وجود کے علاوہ کوئی دوسرا متبادل نہیں چھوڑا، جو سخت ترین سیکورٹی بوجھ اور اخراجات اٹھانے کے لیے ایک فعال اور تیار اسٹریٹجک اڈے کے طور پر کام کر سکے۔ مزید برآں، دونوں کے درمیان تہذیبی، سیاسی، عسکری اور سیکورٹی ہم آہنگی اس اڈے کی افادیت اور بقا کی ضمانت دیتی ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ اور یہودی وجود کی فوجوں کے مابین آپریشنل الحاق کو تیز کرنے کے خیال کو تقویت ملی ہے، یاد رہے کہ ایران کے خلاف جنگ دونوں کے مابین ایک مربوط اور مشترکہ عسکری کارروائی تھی۔

چونکہ پینٹاگون نے سال 2021ء ہی میں یہودی وجود کو یورپی کمانڈ سے نکال کر مشرقِ وسطیٰ کے ذمہ دار جنگی کمانڈ "سینٹکام"(CENTCOM) میں منتقل کر دیا تھا، اور اس کے بعد اسے دیگر علاقائی شراکت داروں کے ساتھ امریکہ کی زیرِ قیادت فوجی مشقوں میں شامل کیا گیا تھا۔ اس منتقلی نے ابراہیم معاہدات کے ساتھ مل کر امریکہ کو ایک نیا علاقائی سیکورٹی نظام فعال کرنے کا موقع فراہم کیا، جس کے تحت امریکی قیادت میں یہودی وجود اور خطے کے دیگر ممالک کے مابین سیکورٹی کو آرڈینیشن کی راہ ہموار ہوئی۔

چناچہ یہودی وجود اور امریکہ کے مابین اس گہرے عسکری اور سیکورٹی تعاون کا بنیادی مقصد یہودی وجود کو امریکہ کے اہم ترین آلہ کار کے طور پر مقرر کرنا ہے تاکہ وہ خطے کی سیکورٹی اور اسٹریٹجک معاملات کو کنٹرول کرے۔ اس کا مقصد امریکی بالادستی کو برقرار رکھنا اور ابھرتی ہوئی اسلامی تحریک کا مقابلہ کرنا ہے، جبکہ یہودی وجود اور دیگر مقامی شراکت دار اس امریکی مشن کا سارا بوجھ اور اخراجات خود اٹھائیں گے۔

ایران کے خلاف جنگ اور امریکہ کی عسکری و اسٹریٹجک مشکلات کے بعد، جہاں اس کی طاقت کی حدود کھل کر سامنے آ گئی ہیں، امریکہ کے لیے یہودی وجود کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ امریکہ اب خطے میں اپنے کٹھ پتلی مقامی حکمرانوں کے تعاون سے یہودی وجود کی اسٹریٹجک حیثیت کو مضبوط بنا کر اس اسٹریٹجک خلا کو پُر کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو ایران کے خلاف جنگ نے پیدا کیا ہے۔

درحقیقت، یہودی وجود کے ساتھ یہ سیکورٹی اور عسکری الحاق امریکی عسکری طاقت کی محدودیت اور اس کے تباہ کن اسٹریٹجک نقصانات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے، جس کے تحت وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے مقامی کٹھ پتلیوں اور بالخصوص اس ذلیل یہودی وجود کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔

پس اے عظیم امتِ مسلمہ کے فرزندو! تمہارا یہ صلیبی دشمن ذلیل ہے، اور اس سے بھی زیادہ ذلیل تمہارے یہ بزدل حکمران ہیں جنہوں نے تمہیں ان کے حوالے کر دیا۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم اپنا غصب شدہ اقتدار واپس چھین لو، اپنے عظیم اسلام کی ریاست قائم کرو، اپنے رب کی شریعت کو نافذ کرو، اور اس ذلت و رسوائی کو پاؤں تلے روند کر مٹا دو؟!

اے مسلم افواج! تمہارے کندھوں پر ذمہ داری کا بوجھ بھاری ہو گیا ہے

اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ "جنگ بندی" کے 300 دنوں کے دوران، غزا کی پٹی پر یہودی وجود کی مسلسل جاری رہنے والی جارحیت کے نتیجے میں 300 بچے جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اس پر مرکزی میڈیا آفس حزب التحریر کے خواتین کے شعبے نے ایک پریس ریلیز میں کہا ہے:

یہ خبر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ دنیا، اپنے نظاموں اور عالمی اداروں سمیت، پہلے درجے کی سازشی ہے، جس نے تین سال تک دنیا کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ جنگ نہیں چاہتی اور امن کی خواہاں ہے، جبکہ مذاکرات کے مہینوں کے دوران غزہ میں مجاہدین کو اپنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے دباؤ انتہائی شدید تھا۔ دوسری طرف، یہاں تک کہ جب ٹرمپ نے یہ فخر سے دعویٰ کیا کہ اس نے غزہ پر جنگ رکوانے میں کامیابی حاصل کی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ کا لاڈلا بچہ اپنی بربریت میں حد سے گزر رہا ہے، اور اس کے برعکس ہمیں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی سوائے اس کے کہ وہ شہدا کی گنتی کریں اور ان کی شہادتوں کا اعلان ایک عام خبر کی طرح کر دیں!

اے امتِ محمدؐ! یہ خبر ظاہر کرتی ہے کہ تم اپنے دشمنوں کی نظر میں انتہائی بے وقعت اور ذلیل ہو چکے ہو، اور ہمارے بچوں، عورتوں اور نوجوانوں کا قتلِ عام اسی طرح بے رحمی سے جاری رہے گا جب تک ہم اپنے معاملات کو تنگ نظر قوم پرستانہ نظریات کی عینک سے دیکھتے رہیں گے اور اس سوچ کے حامل رہیں گے کہ: جب تک آگ میرے گھر کے دروازے تک نہیں پہنچتی، میں صرف دعا کرنے پر ہی اکتفا کروں گا!

اے اسلحہ کے مالکو اور اے افواج کے جرنیلو! اور ہر وہ شخص جو اپنی امت کی مدد کے لیے حرکت میں آنے کی طاقت رکھتا ہے اور پھر بھی خاموش رہتا ہے، یہ خبر ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنی پیٹھ پر گناہوں کے پہاڑ اور نافرمانیوں کا وہ بوجھ اٹھائے ہوئے ہے جس کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور پیش ہو گا!

ریاستِ خلافت کا تعلیمی نظام اعلیٰ پائے کے مدبرین تیار کرتا ہے

اسلام کی بنیاد پر اس تعلیمی نظام کی تعمیر کسی ایسے سیاسی نظام کے تحت ممکن نہیں جو اسلام کو زندگی سے الگ کرنے (سیکولرازم) پر مبنی ہو، بلکہ اس کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے ایک پورا نظامِ زندگی جنم لیتا ہے، اور اس نظام کو نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کی ریاست ہی نافذ کر سکتی ہے جسے اسلام نے اوّل درجے کا سیاسی نظام بنایا ہے۔ خلافت کے نظام کا ایک واضح اور خود مختار سیاسی نظریہ ہے، جو تعلیم کو اعلیٰ ترین پائے کے مدبرین (رجالِ ریاست) بنانے والی فیکٹری اور ایک ایسی زرخیز زمین بناتا ہے جو ایسی مضبوط شخصیات کو جنم دیتی ہے جو قیادت کی آرزومند ہوتی ہیں اور کسی کی ذلت آمیز محکومی کو کبھی قبول نہیں کرتی۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے تعلیم کو معاشرے کی بنیادی ضرورتوں میں شمار کیا ہے، جنہیں صحت اور امن وامان کی طرح ریاست کی جانب سے مفت اور اعلیٰ ترین معیار پر فراہم کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے، جس طرح اس نے رعیّت کے ہر فرد کے لیے خوراک، لباس اور رہائش جیسی بنیادی ضروریات کی تسکین کی ضمانت دی ہے۔ چنانچہ، ریاستِ خلافت عوامی ملکیت جیسے معدنیات، توانائی، زراعت، لائیو اسٹاک اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی بھاری آمدنی کو ایک ایسے تعلیمی نظام کی تعمیر کے لیے وقف کرے گی جو پرائمری، مڈل، اور سیکنڈری سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ایک جامع نقطہ نظر پر مبنی ہو۔ اس تعلیمی نظام کے تحت اسلامی شخصیت کی اس طرح تربیت کی جائے گی کہ وہ امت کے بقا کے مسائل کی نگہبانی اور خدمت کرنے کی قیادت سنبھال سکے اور حکمتِ عملیاں وضع کرنے کی صلاحیت رکھے۔ اس طرح ایک ایسی نسل تیار ہو گی جو قائدانہ صفات اور مومن کے اخلاص کا حسین امتزاج ہو گی، اور زندگی کے میدانِ کارزار میں امت کو درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گوناگوں مہارتوں اور مختلف شعبوں کے تجربات سے لیس ہو گی۔

وسطی ایشیا کی ریاستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مغرب کی پیشکشوں کو مسترد کریں اور اسلام کی بنیاد پر متحد ہو جائیں

آج وسطی ایشیا کے ممالک مغرب کی عسکری، معاشی اور سماجی پیشکشوں کو تیزی سے قبول کر رہے ہیں، اور امریکہ و مغرب کے زیرِ اثر علاقوں میں مزید گہرائی تک دھنستے جا رہے ہیں۔ حالانکہ بیرونی قوتوں کی محکومی سے گریز کرنا ہی ان کے اور ان کے عوام کے حقیقی مفادات کا ضامن ہو سکتا تھا۔ اور اس کا سب سے درست راستہ یہ ہے کہ علاقائی وسائل و صلاحیتوں کو یکجا کیا جائے، اپنی سرزمین پر بھاری اور دفاعی صنعتوں کو فروغ دیا جائے اور اپنی عسکری ضروریات کو جس حد تک ممکن ہو خود مختار طریقے سے پورا کیا جائے۔ کیونکہ بیرونی قوتوں کی محکومی نے کبھی کسی ملک کو حقیقی ترقی یا حقیقی آزادی نہیں دی۔

وسطی ایشیا کی ریاستوں کو اپنی سٹریٹجک جیو پولیٹیکل اہمیت، تاریخی حیثیت اور عالمی علوم میں اپنے عظیم کردار کو بھولے بغیر اسلام کی بنیاد پر متحد ہونا چاہیے اور ان مغربی پیشکشوں کو مسترد کرنا چاہیے جو استعمار کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔ اسی صورت میں اسلام انہیں متحد کرے گا اور نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کی طرف بڑھنے کی بنیاد رکھے گا، اور وہ ان قوتوں کو جو خود کو دنیا کی سپر پاور کہتی ہیں، اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے گا، ان شاء اللہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ**﴾ "اور ان کے مقابلے کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے طاقت اور گھوڑے تیار رکھو جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر ہیبت بٹھا سکو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے" (سورۃ الانفال:60)۔

یمن اور خطے کے حالات سے اس کا متاثر ہونا

تحریر: استاد عبد اللہ القاضی–ولایہ یمن

(ترجمہ)

یمنی صدارتی قیادت کونسل کے سربراہ رشاد العلیمی نے گزشتہ بدھ کو کہا ہے کہ ملکی حکومت کسی نئی عارضی جنگ بندی یا مستقل جنگ بندی کے معاہدے کی حامی نہیں ہے، کیونکہ پائیدار امن صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ریاست کے پاس ہتھیار اور اقتدار پر مکمل اجارہ داری ہو اور ملک میں ریاست سے باہر کوئی ملیشیا وجود نہ رکھتی ہو۔ انہوں نے یہ بات سرکاری اور مقامی یمنی میڈیا کے اداروں کے نمائندوں اور قیادت کے ساتھ ایک وسیع ملاقات کے دوران کہی۔ العلیمی نے حوثی گروپ کو ایک آخری پیغام بھی دیتے ہوئے کہا کہ "ابھی بھی ہتھیار ڈالنے، ایک سیاسی جماعت میں تبدیل ہونے اور دیگر تمام یمنیوں کے برابر بیلٹ باکس کے ذریعے مقابلہ کرنے کا موقع موجود ہے۔"

العلیمی کی اس گفتگو سے، اور خاص طور پر اس وقت، یہ اشارہ ملتا ہے کہ سیاسی اور عسکری موقف بدل چکا ہے۔ کیونکہ سیاسی گفتگو کے لہجے میں اب پہلے سے زیادہ سختی ہے اور عسکری ردِ عمل میں پہلے سے کہیں زیادہ طاقت دکھائی دے رہی ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے، رویک، المخا، مأرب اور حتیٰ کہ آلِ سعود کی سلطنت کے جنوبی علاقوں پر حوثیوں کے حملوں کے جواب میں سعودی عرب کی حمایت بلکہ اس کی ہدایات کے تحت تمام محاذ ایک ساتھ متحرک نہیں ہوئے تھے۔

امریکی پالیسی کا تقاضا رہا ہے کہ خطے میں ایسا عسکری توازن پیدا کیا جائے جو کسی ایک یا زائد ممالک کو اس پر غالب آنے سے روکے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی وقت اس عسکری توازن کو برقرار رکھنے اور اس کے دائرے کو محدود کرنے کے لیے امریکہ کو ایسی کوششیں کرنی پڑتی ہیں جن کی وہ خواہش نہیں رکھتا تھا؛ جیسا کہ وہ آج ایران کو محدود کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ امریکہ کی بار بار ناکام ہونے والی پالیسیوں کے نتیجے میں ایران کا خطے پر براہِ راست اثر ورسوخ قائم ہو گیا، جس کی وجہ سے پے درپے آنے والی امریکی انتظامیہ کو افغانستان، عراق، لبنان، شام اور یمن میں ایران سے مدد مانگنی پڑی۔ اس کے بعد ایران خطے میں امریکی منصوبوں اور مفادات کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، اور اسی طرح یہودی وجود کو بھی امریکہ خود سے جدا نہیں دیکھتا بلکہ اسے ایک ایسا آلہ بنائے رکھنا چاہتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مفادات حاصل کر سکے، اسی لیے امریکہ نے سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کے درمیان دفاعِ مشترکہ کا ممکنہ معاہدہ طے کروایا۔

امریکہ نے صرف مکہ معاہدے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے سعودی عرب اور پاکستان کی قیادت میں 39 ممالک پر مشتمل ایک اور اتحاد بھی قائم کیا، جس کا مقصد ایرانی سرپرستی میں کام کرنے والے حوثی بحری خطرات سے نمٹنے کے لیے ایک ادارہ جاتی دفاعی فریم ورک تشکیل دینا تھا۔ اس کا مقصد بحری سیکیورٹی کو مضبوط بنانا اور جہاز رانی کی آزادی کی حفاظت کرنا ہے، نیز بین الاقوامی تجارتی راستوں کو محفوظ بنانا اور آبنائے باب المندب، بحیرہ احمر اور خلیج عدن میں توانائی کی فراہمی کے راستوں اور مشترکہ بحری مفادات کی حفاظت کرنا ہے، جیسا کہ بنیادی طور پر امریکی مفادات کا تقاضا ہے۔ امریکہ بحیرہ احمر پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے اور وہ گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی سے "بحیرہ احمر کی سیکیورٹی" کے نام پر اس پر اپنا نفوذ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے، تو افغانستان، عراق، شام اور دیگر مقامات پر امریکہ کے لیے اس کی انجام دی جانے والی خدمات بھی اس کے کام نہ آئیں، کیونکہ امریکہ نے ایران، سعودی عرب، لبنان، شام اور یمن میں متصادم فرقہ وارانہ مراکز قائم کر کے پورے خطے کو بارود کا ڈھیر بنا دیا، جنہیں اس نے اسلام کے خلاف اپنی جنگ میں بطور ہتھیار استعمال کیا۔

چنانچہ شام میں امریکہ کے طے کردہ منصوبے کے مطابق ایران کا کردار ختم ہو گیا، تو امریکہ نے اس سے پیچھے ہٹنے کا مطالبہ کیا، اور واقعی ایران نے شام سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور اپنی افواج کو واپس بلا لیا۔ پھر امریکہ نے اپنے مجرم کارندے بشار، جو اس کا علاقائی اثر و رسوخ تھا، کی جگہ ترکی کے ذریعے ایک اور کارندہ مقرر کر دیا۔ اسی طرح جنوبی لبنان میں، جب امریکہ نے یہودی وجود کو ایران نواز پارٹی کی قیادت کو قتل کرنے اور اس کی افواج اور بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرنے کا ہرا اشارہ دیا، اس کے علاوہ لبنان پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس کے ہتھیاروں کو غیر مسلح کرنے اور اسے ایک سیاسی جماعت میں تبدیل کرنے کے لیے کام کرے، جس کے بدلے میں تعمیرِ نو، پناہ گزینوں کی واپسی کی اجازت، اور بالآخر ایک مستقل امن معاہدے پر دستخط شامل ہیں۔

اور عراق میں امریکہ نے ایران نواز نوری المالکی کو وزیر اعظم نامزد کرنے کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی اور اس کی جگہ علی الزیدی کو لے آیا، جس نے ایران کے اتحادیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کرپشن کے معاملے کو ایک سخت ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، نیز ہتھیاروں کو صرف ریاست کے ہاتھ میں محدود کیا اور تمام عسکری دھڑوں سے سیاسی جماعتوں میں تبدیل ہونے کا مطالبہ کیا۔

جبکہ یمن میں امریکہ نے سعودی عرب کے ذریعے رشاد العلیمی پر دباؤ ڈالا کہ وہ اماراتی افواج کو نکال باہر کرے، جس کے بعد انہوں نے العلیمی کو اپنی طرف مائل کیا تاکہ وہ حوثیوں کے خلاف حالیہ عسکری کارروائیوں میں لاجسٹک مدد حاصل کر سکیں، بالخصوص ان کارروائیوں میں بغیر پائلٹ کے طیاروں (ڈرون) کا استعمال شامل تھا۔ یہ سب خطے میں ایران کے بازوؤں کو کاٹنے کے لیے کیا گیا تاکہ امریکہ اپنا یہ ہدف حاصل کر سکے کہ ایران اس کے تابع ایک ملک بن جائے، نہ کہ ایسا ملک جو صرف اس کے مدار میں گھومتا رہے۔

اور یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ امریکہ اس خطے کو پاکستان، سعودی عرب اور ترکی میں موجود اپنے مہروں کے سپرد کر دے گا، کیونکہ ان کی پالیسیاں امریکہ سے وابستہ ہیں، خواہ وہ اس کی پیروی کرتے ہوں یا اس کے مدار میں گھومتے ہوں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے ممالک کو آپس میں ضم کر کے ایک عظیم متحدہ ریاست تشکیل دیں، جو اپنی اسلامی شناخت کو بحال کرے، اسلامی طرزِ زندگی کا دوبارہ آغاز کرے، اور اپنی افرادی قوت، عسکری طاقت، قدرتی وسائل، جغرافیائی وسعت اور زمین کے خطرناک ترین بحری راستوں (آبناؤں) پر اپنے تسلط کے بلبوتے پر دنیا کے تمام ممالک پر برتری حاصل کر لے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ امریکہ کے تابع ان حکمرانوں میں ایک مشترک قدر پائی جاتی ہے جن کے ممالک میں ایران کے بازو (اثر و رسوخ) موجود تھے یا اب بھی ہیں؛ اور وہ مشترک قدر ان ممالک کے حکمرانوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے مطالبات ہیں جنہیں عسکری دھڑوں یا ان کے باقی ماندہ عناصر پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان مطالبات میں ہتھیاروں کی حوالگی اور انہیں صرف ریاست کے ہاتھ میں رکھنا، نیز ان عسکری دھڑوں کا سیاسی جماعتوں میں تبدیل ہونا اور بیلٹ باکس کے ذریعے سیاسی مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام مطالبات کا سرچشمہ ایک ہی جگہ ہے اور وہ امریکہ ہے، جس کی وجہ سے ان ممالک میں ان دھڑوں کا انجام ایک جیسا ہی ہونے والا ہے، بشمول یمن کے، جس میں صرف وقت کا ایک معمولی فرق پایا جاتا ہے۔

خطے کی صورتحال کچھ یوں نظر آتی ہے؛ امریکہ اور غاصب وجود کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری ہے اور رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ فلسطین، لبنان، شام، عراق، ایران اور یمن میں بمباری اور تباہی عروج پر ہے اور پورے خطے کا بنیادی ڈھانچہ بری طرح تباہ کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ مسلم ممالک میں کفر اور اس کے علمبرداروں کے منصوبوں کی خدمت کے لیے کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمانوں کو خیر اور عدل کے اس پیغام سے دور رکھا جائے جس کا ان کے رب نے انہیں مکلف کیا

ہے۔ یہ وہ پیغام ہے جس نے انہیں اور ان سے پہلے کے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا، ذلت کے بعد انہیں عزت بخشی، اور کمزوری کے بعد انہیں طاقت عطا کیا۔ اور یہ پیغام ان شاء اللہ یقیناً نافذ ہو کر رہے گا اور قائم ہو گا، اور یہ ان لوگوں کے شعور، عزم اور قربانی کے ذریعے ہو گا جنہوں نے خود کو اللہ کے دین اور اس کے آخری پیغام کے لیے وقف کر دیا ہے، یعنی دشمنانِ اسلام اور ان کے حواریوں کی خواہشات کے برعکس نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ، تاکہ زمین عدل وانصاف سے بھر جائے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی تھی، اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے۔

﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاء وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ اور اس دن مومن خوش ہو جائیں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ الروم: 4-5)

مسلم ممالک کے حکمران طبقے خون کی لکیریں کھینچنے میں حصہ دار ہیں!

بلادِ مسلمین کے حکمران طبقے سائیکس پیکو (Sykes-Picot) کی سرحدوں کو برقرار رکھنے میں حصہ دار ہیں، اور یمن، لیبیا، سوڈان، مراکش اور شام میں نئی سیاسی اکائیاں کھڑی کر کے امت کو مزید تقسیم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں، بالکل اسی طرح جیسے مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان میں کیا گیا تھا! تمام مسلم ممالک کے حکمران طبقوں کا سیاسی بیانیہ بلا استثناء یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے ذہن مغربی ثقافت سے مرعوب ہیں، جو اسلام کے خلاف گہری نفرت کا پتہ دیتا ہے۔ جبکہ مغرب کی سرمایہ دارانہ تہذیب دم توڑ رہی ہے اور اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے، اور اس کا عالمی مالیاتی نظام کفن پوش ہو کر دفن ہونے کا منتظر ہے، ایسے میں دنیا بھر میں مال کے محفوظ ترین ٹھکانے یعنی سونے کی طرف لازمی واپسی ہو رہی ہے، کاغذی کرنسی کا وجود ختم ہو رہا ہے اور سونے کے مقابلے میں اس کی نئی قیمتیں مقرر ہو رہی ہیں۔ یہ دراصل بلادِ مسلمین کے حکمران طبقوں کی اس خلاء کو پر کرنے میں بدترین غیر اعلانیہ ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو سال 1342ھ - 1924ء سے خلافت کی ریاست کے غیاب (خاتمے) کے بعد سے پیدا ہوا تھا، اور یہ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کی صبحِ نو کے طلوع ہونے کا وقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ**﴾ "بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے" (سورۃ غافر: 51)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ**» "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی"۔

مصر کی فوج کے لیے اپنے ملک کو خشک سالی اور اپنے لوگوں کو پیاس سے بچانے کے لیے آگے بڑھنا لازم ہے

اتوار کے روز ایک ذمہ دار مصری عہدیدار نے ایتھوپیا کے وزیرِ پانی و توانائی، حابتامو اتیفا کے حالیہ بیانات پر ردِ عمل دیا، جن میں انہوں نے دریائے نیل پر مزید ڈیم بنانے اور نچلے دھارے کے دونوں ممالک، یعنی مصر اور سوڈان کی طرف پانی کے بہاؤ کو کنٹرول کرنے کی بات کی تھی۔ مصری عہدیدار نے اس بات پر زور دیا کہ: "یہ بیانات ایتھوپیا کے ان بار بار کیے جانے والے دعووں کی قلعی کھولتے ہیں کہ اس کے اقدامات کا مقصد دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر صرف ترقی حاصل کرنا ہے۔ ایک بین الاقوامی دریا کے بہاؤ کو نچلے دھارے والے ممالک کی طرف جانے سے روکنے کی کھلم کھلا کوشش کا اعلان ایک انتہائی خطرناک عزائم کو ظاہر کرتا ہے، جس کا مقصد جائز ترقی حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ زمینی حقائق مسلط کرنے، ایک بین الاقوامی مشترکہ آبی وسیلے پر اجارہ داری قائم کرنے اور اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کو نچلے دھارے کے دونوں ممالک کے آبی حقوق اور مفادات کو خطرے میں ڈالنے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش ہے۔ اسے بین الاقوامی قانون تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی مصر اسے ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر مسلط کرنے کی اجازت دے گا"۔(CNN)

الرایہ: پانی ان بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے جس کی کمی ہونے پر لوگ اس کی تلاش میں تتر بتر ہو جاتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے عوامی ملکیت قرار دیا ہے جس پر افراد کی اجارہ داری جائز نہیں ہے تاکہ وہ معاشرے کے لیے تنگی کا باعث نہ بنیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **«الْمُسْلِمونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ؛ فِي الْكَلَأِ، وَالْمَاءِ، وَالنَّارِ»** "مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: چراہ گاہ، پانی اور آگ۔"

تو پھر اس صورتِ حال کا کیا کہنا جب ایتھوپیا جیسا ملک اپنی پالیسیوں، لالچ اور یہودی وجود جیسے استعماری کفار کے ساتھ گٹھ جوڑ کے باعث مصر کے لاکھوں مسلمانوں کو پانی سے محروم کرنا چاہتا ہے؟! مصر کی ریاست پر واجب ہے کہ وہ اس سنگین مسئلے اور مصر کے لوگوں کی بنیادی ترین ضرورت پر ہونے والی اس کھلی جارحیت کے خلاف فیصلہ کن، حقیقی اور سنجیدہ اقدامات کرے، چاہے اس کے لیے فوج کو حرکت میں لانا ہی کیوں نہ پڑے! اگر مصر کی فوج اپنے ہی لوگوں، بچوں اور ملک کی حفاظت کے لیے حرکت میں نہیں آتی، تو ہمیں ایسی فوج کی کیا ضرورت ہے؟! جبکہ محض بین الاقوامی خط و کتابت اور استعماری اداروں کی طرف رجوع کرنے پر اکتفا کرنا بزدلی، کمزوری اور مصر کی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے!